

اُونچی مُہم

انسپکٹر جمشید سیریز



محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۶

پُراسرار مہم

اشتیاق احمد

دو باتیں

یہ ناول جب شروع کیا تو اس وقت یہ خیال تک نہیں تھا کہ اس کا سلسلہ طویل ہو جائے گا اور اسے دوسرے ناول میں ختم کرنا پڑے گا؛ تاہم آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت اس لیے پیش نہیں آئے گی کہ دونوں ناول ایک ساتھ آپ کو ملیں گے، پھر بھی اگر آپ کو یہ بات ناپسند آئے تو میں آئندہ ہر ممکن کوشش کروں گا کہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اس بار تو بالکل ہی مجبور ہو گیا تھا اور آپ جانتے ہی ہیں، مجبوری کا دوسرا نام شکریہ ہے؛ لہذا آپ بھی شکریہ ادا کیجیے، جس نے آپ کو چھٹی اور دو دو مرحمت فرمائیں۔

کالا شیطان اور شیطان کے پجاری کی ڈاک میرون کے حساب سے موصول ہونے کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ ان خطوط میں سے منتخب خطوط آئندہ ماہ کے ناولوں میں ہی پیش کیے جا سکیں گے۔ یہ پڑھ کر کہیں چراغ پا نہ ہو جائیے گا کیونکہ اب چراغوں کا زمانہ نہیں رہا، جی ہاں۔

خاص نمبر کے اشتہار چھپنے کی ڈاک طوفانی انداز میں موصول ہو رہی ہے، لہذا اس کا اعلان جون کے ناولوں میں کیا جا رہا ہے۔

اشتیاق احمد

ترتیب

دعوت نامہ

دروازے کی گھنٹی بجی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے ایک دوسرے کی طرف چونک کر دیکھا۔ گھنٹی بجانے کا انداز بالکل انجانا تھا۔ ان دنوں وہ آرام کر رہے تھے۔ دفتر کی طرف سے انسپکٹر جمشید کو اور سکول کی طرف سے تینوں کو آرام کرنے کے لیے چھٹیاں ملی ہوئی تھیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ شیطان سے مقابلے نے انہیں تھکا دیا تھا، لہٰذا دفتر کی طرف سے انہیں کھلی چھٹی تھی کہ جب تک جی چاہے آرام کریں۔ یوں بھی ان کی وجہ سے اس مرتبہ حکومت کو کھربوں روپے کا فائدہ ہوا تھا۔ انہوں نے شیطان کا سارا خزانہ جوں کا توں حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔ چاروں لاشیں بھی حکومت کے حوالے کر دی تھیں۔ اس دن کے بعد اخبارات میں کچھ اس انداز سے خبریں شائع ہوئی تھیں کہ ان کا جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ مبارک باد کے ٹیلی فون، خط اور ٹیلی گرامز کی ایک قطار لگ گئی تھی اور وہ اس قطار کے ہاتھوں بہت پریشان تھے۔ اگرچہ فاروق کا خیال تھا کہ قطار کے تو ہاتھ ہوتے

ہی نہیں، پھر بھی ان کا ناک میں دم تھا۔ انہوں نے آنے
کے فوراً بعد پروفیسر انکل کو کھلونوں کے سمندر برُد ہو جانے
کی خبر سنا دی تھی اور فرمائش داغ دی تھی کہ اس مرتبہ تین کے
بجائے چھ کھلونے بنائیں۔ پروفیسر داؤد کے پوچھنے پر انہوں نے
بتایا کہ وہ آفتاب، آصف اور فرحت سے وعدہ کر چکے ہیں۔ یہ
سن کر پروفیسر داؤد مسکرائے تھے اور کھلونے جلد بنا کر دینے
کا وعدہ کیا تھا۔ تاہم ابھی ان کا یہ وعدہ پورا نہیں ہوا تھا۔

ہاں تو دروازے کی گھنٹی نے انہیں چونکا دیا۔ انسپکٹر جمشید
اس وقت غسل خانے میں تھے اور بیگم جمشید باورچی خانے میں۔

"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ گھنٹی بجانے والا ہمارا
واقف نہیں ہے۔" محمود سرسری انداز میں بولا۔

"پھر کیا ہوا، تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے ہمارے
ہاں کوئی ناواقف آدمی آ ہی نہیں سکتا۔ یقیناً کوئی شخص مبارک
باد دینے کی غرض سے آ گیا ہوگا۔"

"ہوں، مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے، جیسے کوئی چکر شروع
ہونے والا ہے۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا، کیونکہ ابھی تو
اس کے منہ کی چوٹیں بھی ٹھیک نہیں ہوئی تھیں۔

"تمہارا تو دراصل چکرا رہا ہے۔" محمود نے جھنجھلا کر کہا اور
اٹھ کر دروازہ کھولنے چلا گیا۔ دونوں وہیں بیٹھے رہے، البتہ انہوں

نے اپنے رخ دروازے کی طرف کر لیے تھے۔

"تم دیکھ لینا فرزانہ، محمود ایک مدد کیس مول لینے جا رہا
ہے۔"

"نہیں تو واقعی وہم ہو گیا ہے یا شاید کیسوبیا ہو گیا ہے۔"
فرزانہ شریر انداز میں مسکرائی۔

"یہ کیسوبیا کیا ہوتا ہے؟"

"ایک نئی بیماری، جو صرف اور صرف تمہارے لیے پیدا ہوئی
ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اوہو، بہت اونچی اڑ رہی ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا، تمہارے ساتھ تو بیٹھی ہوں۔"
فرزانہ مسکرائی۔

"اوہو، میں سمجھ گیا۔ بی مینڈکی کو زکام ہوا ہے۔"

"مینڈکی کو ہوا ہوگا۔ مجھے تو گزشتہ ایک سال سے
نہیں ہوا۔" فرزانہ بولی۔

اسی وقت انہوں نے محمود کے ساتھ سرکاری وردی میں کچھ
لوگوں کو آتے دیکھا۔ محمود کا رخ ڈرائنگ روم کی طرف تھا۔
دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے، پھر جونہی محمود انہیں لے کر
ڈرائنگ روم میں داخل ہوا، دونوں بیرونی دروازے کی طرف چلے اور
اس میں جھری بنا کر باہر دیکھا۔ باہر ایک سیاہ رنگ کی [illegible] کی کار

کھڑی تھی، جس پر نمبر پلیٹ کے نیچے وزارتِ دفاع لکھا تھا۔

"یہ وزارتِ دفاع کے آفیسروں کا ہمارے ہاں کیا کام؟" فرزانہ بڑبڑائی۔

"عجیب احمق ہو، کوئی کام ہوگا، تبھی تو آئے ہیں۔ یونہی تو آ نہیں سکتے تھے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"چلو خیر، تمہارا خیال تو ہوگیا غلط ثابت۔" فرزانہ ہنسی۔

"یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو۔ کیا خبر، یہ لوگ ہمارے لیے ایک عدد کیس ہی لے کر آئے ہوں۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو، جیسے یہ تحفے میں ہمارے لیے کوئی کیس لے کر آئے ہیں۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"میری چھٹی حس مجھے خبردار کر رہی ہے۔"

اسی وقت انہوں نے محمود کو باہر آتے دیکھا۔ دونوں اس کی طرف بڑھے۔

"ہاں بھئی، کیا معاملہ ہے؟"

"وزیرِ دفاع نے کوئی دعوت نامہ بھیجا ہے۔" محمود بولا۔

"کیا ان کے بیٹے ویٹے کی شادی ہے؟" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"یہ ویٹے کیا ہوتا ہے؟"

"انہوں نے تفصیل نہیں بتائی۔ بس اتنا کہا ہے کہ وہ ایک

دعوت نامہ لائے ہیں۔" محمود نے اس کی بات کی طرف توجہ دیے بغیر کہا۔

"خدا کا شکر ادا کرو کہ وہ ایک دعوت نامہ لائے ہیں، کوئی کیس نہیں لائے اور فاروق کی چھٹی حس جھوٹی ثابت ہوگئی ہے۔"

"اے۔ خبردار، جو میری چھٹی حس کی شان میں گستاخی کی۔" فاروق نے گویا فرزانہ کو للکارا۔

"تم دونوں آپس میں جھگڑو، میں ابا جان کو بتانے چلا۔"

وہ غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ انسپکٹر جمشید باہر نکلتے نظر آئے۔

"کون آیا تھا بھئی؟" انہوں نے پوچھا۔

"وزیرِ دفاع کی طرف سے کچھ آفیسر آئے ہیں۔ وہ ایک دعوت نامہ لائے ہیں۔"

"دعوت نامہ۔" انسپکٹر جمشید فکرمند سے ہوگئے۔

"جی ہاں، انہوں نے یہی کہا ہے۔"

"اچھا، میں دیکھتا ہوں۔ تم اپنی امی سے کہو۔ مہمانوں کے لیے جلدی سے چائے وغیرہ کا بندوبست کریں۔"

"جی اچھا۔" فرزانہ نے کہا اور باورچی خانے کی طرف دوڑ گئی۔ محمود اور فاروق پھر صحن میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ انسپکٹر جمشید ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔

چائے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد مہمان رخصت ہو گئے تو انسپکٹر جمشید ان کی طرف بڑھے۔ ان کے ہاتھ میں دعوت نامہ تھا۔

"وزیر دفاع کے ہاں ایک تقریب ہو رہی ہے۔ دعوت نامہ اسی تقریب کے سلسلے میں ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"کیا انہیں کوئی خطرہ درپیش ہے؟" فرزانہ نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"تم غلط سمجھیں، انہوں نے کسی خطرے کے پیش نظر دعوت نہیں دی۔" وہ دھیمے انداز میں مسکرائے۔

"لیکن آپ کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آ رہے ہیں۔" محمود ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں! الجھن کی ایک وجہ ہے۔ لو تم اس دعوت نامے کو پڑھ لو۔ میری الجھن کی وجہ تمہاری سمجھ میں آ جائے گی۔" یہ کہہ کر انہوں نے دعوت نامہ ان کے سامنے ڈال دیا۔

لفافے میں سے کارڈ نکال کر انہوں نے پڑھا۔ اس میں تقریب کا وقت لکھا ہوا تھا۔ اور ان چاروں کے نام تھے۔ تقریب کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی تھی۔ تینوں سوچ میں پڑ گئے۔

"ابا جان! اس دعوت نامے میں تو کوئی الجھن کی بات نہیں ہے۔" فاروق نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔" انسپکٹر جمشید نے محمود اور فاروق کی

طرف مسکرا کر دیکھا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" محمود نے کہا۔ انسپکٹر جمشید نے فرزانہ کی طرف دیکھا تو وہ الجھن میں نظر آئی، آخر بولی:

"بظاہر کوئی الجھن کی بات نظر نہیں آتی۔"

"ہوں اچھا! اب یہ دعوت نامہ اپنی امی کو دو۔ بیگم تم اسے غور سے دیکھو اور پڑھو، پھر بتاؤ کہ اس دعوت نامے میں کوئی الجھن محسوس ہوتی ہے یا نہیں۔"

"ہمارا گھر بھی عجیب گھر ہے۔ اب دعوت ناموں میں بھی الجھنیں پیدا ہونے لگیں۔" بیگم جمشید نے مسکرا کر کہا اور دعوت نامے پر نظریں جما دیں۔ چند لمحے تک دیکھتے رہنے کے بعد انہوں نے کہا:

"یہ دعوت نامہ ہے؟" انہوں نے یہ الفاظ منہ بنا کر کہے۔

"جی امی جان۔ کیا مطلب؟" فرزانہ نے انہیں حیران ہو کر دیکھا۔

"اگر یہ کسی تقریب کے سلسلے میں بلاوا ہے تو اس میں میرا نام کیوں شامل نہیں، اور اگر کسی سرکاری حیثیت سے دعوت نامہ بھیجا گیا ہے تو محمود، فاروق اور فرزانہ کا نام کیوں شامل کیا گیا ہے؟"

"ویری گڈ بیگم۔ آج تو تم ان تینوں سے بھی سوا ہاتھ آگے نکل گئیں۔"

"نہیں تو۔" بیگم جمشید نے بوکھلا کر کہا اور وہ ہنسنے لگے۔ پھر محمود نے کہا۔

"واقعی اس پہلو پر ہماری نظر نہیں گئی — آخر امی جان کو کیوں دعوت نہیں دی گئی۔"

"اسی لیے میں الجھن میں ہوں — یا تو اس پر صرف میرا نام ہونا چاہیے تھا یا سب کا — محمود، فاروق اور فرزانہ کے ناموں کا اندراج مجھے کھٹک رہا ہے۔"

"کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہیں؟" فرزانہ نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، میں یہ سمجھا ہوں کہ یہ تقریب ایک بہانہ ہے۔ اس تقریب کی آڑ میں کوئی کیس ہمارے سپرد کیا جانے والا ہے — اسی لیے بیگم کو دعوت میں شامل نہیں کیا گیا۔"

"اوہ" محمود اور فرزانہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا — فاروق بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

"تو میرا خیال درست تھا — میری چھٹی حس بالکل ٹھیک خبر دے رہی تھی" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"گھنٹی کی آواز سن کر ہی میں نے کہہ دیا تھا کہ ایک کیس ملنے والا ہے، لیکن یہ دونوں میرا مذاق اڑاتے رہے۔"

"ہوں — خیر، دیکھا جائے گا — ہمیں شام کو ٹھیک چھ بجے وہاں پہنچنا ہے — تم تیار رہنا" انھوں نے کہا۔

اور وہ تیاری کرنے لگے — ساڑھے پانچ کے قریب وہ گھر سے نکل رہے تھے — اور ٹھیک چھ بجے وزیرِ دفاع کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے — ان کا استقبال نامہ جاہی نے کیا — یہ وزیرِ دفاع کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے — وزیرِ دفاع کا نام سعید گیلانی تھا — انھوں نے نہایت گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا، پھر بولے:

"تشریف رکھیے — چند مہمان آنے ہی والے ہیں، پھر تقریب شروع ہوگی۔"

"کیا آپ اس سے پہلے ہی تقریب کا اصل مقصد نہیں بتائیں گے" انسپکٹر جمشید مسکرائے اور سعید گیلانی چونک کر انہیں دیکھنے لگے، پھر حیرت زدہ لہجے میں بولے:

"تو آپ نے یہ بات محسوس کر لی کہ یہ تقریب ایک بہانہ ہے؟"

"جی ہاں۔"

"مجھے حیرت ہے — مہربانی فرما کر میری حیرت دور کر دیجیے، آخر آپ نے یہ کیسے جان لیا؟"

"اس طرح کہ دعوت نامے پر میرے ساتھ ان تینوں کا نام تھا، لیکن بیگم کا نام نہیں تھا — یا تو سب کا نام ہونا چاہیے تھا یا پھر صرف میرا۔"

"ویری گڈ، آپ لوگ واقعی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔"

اسی وقت کچھ مہمان آتے نظر آئے۔ وہ چونک کر کھڑے ہو گئے۔ آنے والوں میں صدرِ مملکت اور ان کے ساتھ ایک اور صاحب تھے۔ یہ غیر ملکی نظر آ رہے تھے۔



انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ صدرِ مملکت کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہیں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ صدر صاحب بھی اس تقریب میں آنے والے ہیں۔ نزدیک آنے پر علیک سلیک ہوئی۔ صدر صاحب نے ان چاروں سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور بولے:

"آپ لوگ ٹھیک تو ہیں۔ اوہو، فاروق کے چہرے پر تو ابھی تک ورم ہے۔"

"جی ہاں، شیطان پارٹی کی مہربانی ہے۔" فاروق بول پڑا۔

اور وہ مسکرا دیے۔

پھر سب لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"گیلانی صاحب، تقریب کا آغاز کریں۔"

"جی بہتر۔" یہ کہہ کر گیلانی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ تقریب کا اہتمام باغ میں کیا گیا تھا۔ مہمانوں کی تعداد پندرہ کے قریب

تھی۔

"سب سے پہلے تو میں اس تقریب کے مہمانِ خصوصی کا تعارف کراؤں گا۔ ہمارے درمیان اس وقت محترم عالی شاہ موجود ہیں۔ ہمارے دوست ملک کے وزیرِ خارجہ، ہمارے بہترین دوست — جب بھی ہمارے ملک پر کوئی نازک وقت آیا، انہوں نے بھرپور انداز میں ہمارا ساتھ دیا۔ آج میں نے اپنے گھر میں دعوت انہی کے اعزاز میں دی ہے۔"

یہ کہہ کر سعید گیلانی صاحب خاموش ہو گئے۔ عالی شاہ نے اٹھ کر اپنے سر کو تھوڑا سا خم کیا اور پھر بیٹھ گئے۔ حاضرین نے تالیاں بجائیں۔ گیلانی صاحب پھر کہنے لگے:

"عالی شاہ محترم ہمارے ملک میں تین روزہ سرکاری دورے پر آئے ہوئے تھے۔ آج تیسرا دن ہے۔ آج رات یہ یہیں سے رخصت ہو جائیں گے، گویا یہ تقریب ایک الوداعی تقریب ہے۔"

ایک بار پھر تالیاں بجیں۔ اس کے بعد صدر صاحب نے بھی اٹھ کر عالی شاہ کا شکریہ ادا کیا، پھر کھانا شروع ہوا۔ فاروق اور فرزانہ شدید بے چینی کے عالم میں تھے۔ جیسے تیسے انہوں نے کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر گیلانی صاحب نے ذرا بلند آواز میں کہا:

"محترم عالی شاہ، آپ میری لائبریری دیکھنے کی خواہش

رکھتے ہیں۔ آئیے، میں آپ کو اپنی لائبریری دکھاؤں۔ انسپکٹر جمشید صاحب، آپ کو بھی تو نایاب کتابوں کا بہت شوق ہے۔ آپ بھی آئیے نا۔"

"جی ہاں ضرور۔" وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے بے چین ہو کر ان کی طرف دیکھا۔ سعید گیلانی نے فوراً کہا:

"معلوم ہوتا ہے، آپ کے بچے بھی لائبریری دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ آپ بھی آئیے۔"

اور محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں تو چونکہ لائبریری پہلے ہی دیکھ چکا ہوں، اس لیے یہیں بیٹھوں گا۔" صدر صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"جی بہتر۔"

باقی سب لوگوں کو صدر صاحب کے ساتھ ہی ٹھہرنا پڑا۔ صرف چھ آدمی وہاں سے چل کر رہائش گاہ کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے اور پھر لائبریری کی طرف بڑھے۔

"لائبریری میں کوئی بات شروع کرنے سے پہلے ہمیں اندر کا جائزہ لے لینے دیجیے گا۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے:

"اوہ۔" سعید گیلانی کے منہ سے نکلا۔

لائبریری میں داخل ہو کر انھوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

یہ ایک کافی بڑا کمرہ تھا اور اس میں بے شمار کتابیں تھیں۔ انسپکٹر جمشید نے تینوں کو اشارہ کیا۔۔۔ اور پھر چاروں لائبریری کی تلاشی لینے میں جٹ گئے۔۔۔ ساتھ ہی انھوں نے سعید گیلانی کو اشارہ کیا کہ وہ مہمان کو لائبریری دکھاتے ہوئے کتابوں کے بارے میں بتانا شروع کر دیں۔

آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد انسپکٹر جمشید نے ایک جگہ ٹیلی فون تلاش کر لیا۔۔۔ اسے دیکھ کر سعید گیلانی اور عالی شا خوفزدہ ہو گئے۔۔۔ پھر وہ اسے جوں کا توں چھوڑ کر لائبریری سے باہر نکل آئے۔۔۔ اور گھر کے صحن کے بیچوں بیچ آ کھڑے ہوئے۔

"حیرت ہے، اگر آپ کو یہ خیال نہ آتا تو ہماری ساری گفت گو سنی جا سکتی تھی۔"

"جی ہاں، چونکہ آپ نے ہمیں بہت خفیہ انداز میں بلایا تھا، اس لیے میں سمجھ گیا تھا کہ کوئی بہت ہی اہم معاملہ ہے اور مخالف لوگ ضرور ٹوہ میں ہوں گے۔۔۔ انھوں نے اس قسم کا کوئی انتظام ضرور کر رکھا ہوگا کہ اس تقریب کا اصل مقصد جان سکیں۔"

"تب تو ہم بال بال بچے۔" سعید گیلانی بولے۔

"ہمارے ساتھ یہی تو ہوتا ہے جناب، بس بال بال بچ جاتے ہیں۔" فاروق بول پڑا۔

عالی شا اور سعید گیلانی مسکرا دیے —

"اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں — کیا خیال ہے۔ اس جگہ سے تو ہماری گفت گو نہیں سنی جا سکے گی؟"

"بالکل نہیں" وہ بولے۔

"لیکن بھئی، گفت گو سننے والے اس وقت کہاں ہوں گے؟"

"آس پاس کے کسی مکان میں — آپ ان کی فکر نہ کریں۔ انہیں گرفتار کرنے کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ خبردار ہو جائیں گے۔"

"ہوں، آپ ٹھیک کہتے ہیں — خیر، معاملہ بہت خطرناک ہے — آپ کے ذمے جو کام لگایا جا رہا ہے، حد درجے خطرناک ہے — اس میں کامیابی کے امکانات بہت ہی کم ہیں، اس لیے اگر آپ انکار کرنا چاہیں تو بھی کر سکتے ہیں، کیونکہ آپ ایسے کاموں کے لیے ملازم نہیں رکھے گئے — ہم نے یہ کام پہلے اپنے اس قسم کا کام کرنے والے چار ایجنٹوں کے ذریعے لیا تھا، لیکن وہ لوٹ کر نہیں آئے — ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

صحن میں کرسیاں بچھی تھیں۔ وہ ان پر بیٹھ چکے تھے —

سعید گیلانی صاحب کے الفاظ حد درجے سنسنی خیز تھے، ان کے کان کھڑے ہو گئے، آنکھیں ان پر جم گئیں —

نیلی کار

چند لمحے تک موت کی خاموشی طاری رہی — آخر انسپکٹر جمشید نے لب کھولے:

"آپ فکر نہ کریں — میں یہ نہیں سوچوں گا کہ اس قسم کے کام کے لیے ملازم رکھا گیا ہوں یا نہیں اور یہ کہ اس کام میں ہماری زندگیوں کو کس حد تک خطرہ لاحق ہے — اصل بات بتائیے۔"

"شکریہ، بات دراصل یہ ہے کہ عالی شا صاحب کا ملک ہمارا سب سے اچھا دوست ملک ہے — ان کے ملک کے ساتھ دشمن ملک کی سرحد ہے — یہ ملک صرف ان کا ہی نہیں، ہمارا بھی دشمن ہے اور اس کے پیچھے بھی بڑی طاقتیں ہیں — لہذا ہم اس کے خلاف جنگ چھیڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، نہ ہی عالی شا صاحب کا ملک یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہے — لیکن اس وقت ایک نئی الجھن آ پڑی ہے۔"

دشمن ملک عالی شا صاحب کے ملک سے اپنا ایک علاقہ خالی کرانا چاہتا ہے — یہ علاقہ ابھی چھ ماہ پہلے ایک جھڑپ میں حاصل کیا گیا تھا، لیکن اس جھڑپ میں ان کے ملک کے تقریباً دو ہزار سپاہی دشمن کی قید میں چلے گئے تھے — اب دشمن ملک یہ چاہتا ہے کہ اس کا علاقہ خالی کر دیا جائے اور اپنے دو ہزار سپاہی واپس لے لیے جائیں — اس علاقے کی بہت زبردست جغرافیائی اہمیت ہے — اس کے قبضے میں آ جانے سے ہمارا دوست ملک بہت محفوظ ہو گیا ہے، لہٰذا وہ اس علاقے کو کسی قیمت پر واپس دینا نہیں چاہتا، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے دو ہزار سپاہی کسی طرح واپس مل جائیں، کیونکہ ان سپاہیوں کے گھرانے حکومت کو پریشان کر رہے ہیں — بس یہ ہے وہ الجھن۔" یہاں تک کہہ کر سعید گیلانی خاموش ہو گئے۔

"یہاں تک تو بات سمجھ میں آ گئی — اب یہ بتائیے کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"یہ کہ آپ کسی طرح ان دو ہزار سپاہیوں کو چھڑا لائیں۔" سعید گیلانی نے انسپکٹر جمشید سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے انہیں چونک کر دیکھا — چند لمحے کے لیے پھر خاموشی چھا گئی — پھر انہوں نے پوچھا:

"آپ کا مطلب ہے، صرف ہم چار جا کر ان دو ہزار

قیدیوں کو چھڑا لائیں۔"

"ہاں، ہم یہی چاہتے ہیں — ہم جانتے ہیں، یہ کام انتہائی مشکل ہے — اور میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اس میں کامیابی کے امکانات بہت کم ہیں، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں، اس کے باوجود آپ کو کسی امید پر ہی بلایا گیا ہے۔"

"ہوں، یہ بتائیے، دو ہزار قیدی رکھے کہاں گئے ہیں؟"

"ایک کیمپ میں — خفیہ کیمپ میں۔" اس بار عالی شا نے کہا۔

"خفیہ کیمپ میں، کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔

"ہاں، ان لوگوں نے چالاکی یہ کی ہے کہ ان دو ہزار قیدیوں کو اپنے ملک میں کہیں بھی نہیں رکھا، بلکہ ملک سے باہر کسی خفیہ مقام پر رکھا گیا ہے — یہ خفیہ مقام ایک کیمپ کی صورت میں ہے، یہ کہاں ہے، کسی کو نہیں معلوم — ہم نے پتا چلانے کی بہت کوشش کی، لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔" عالی شا کہتے چلے گئے۔

"آپ نے جو چار ایجنٹ بھیجے تھے، ان کی طرف سے کوئی رپورٹ بھی موصول نہیں ہوئی؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"نہیں، ان کا کوئی پتا نہیں چل سکا۔"

"آپ نے انہیں بھیجا کہاں تھا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ظاہر ہے کہ ہم خفیہ کیمپ کا سراغ ان کے ملک سے ہی لگا سکتے ہیں، انہیں دشمن ملک میں ہی بھیجا گیا تھا۔" عالی شاہ نے کہا۔

"تو اب آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم بھی دشمن ملک میں جائیں اور اس خفیہ کیمپ کا سراغ لگائیں۔"

"بالکل، آپ صرف اس کیمپ کا سراغ لگائیں گے۔ باقی کام ہم خود کر لیں گے۔" عالی شاہ نے کہا۔

"باقی کام آپ کس طرح کریں گے؟"

"گوریلے بھیج کر۔"

"کیا اس طرح جنگ نہیں چھڑ جائے گی؟"

"یہ کارروائی ایک بالکل الگ جگہ پر ہوگی، اور پھر اس کارروائی میں ہم اپنے گوریلے نہیں بھیجیں گے۔" انہوں نے کہا۔

"اور ہم چاہیں تو اس کام سے انکار بھی کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے سوچ میں گم ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں، کیونکہ یہ کام آپ کا نہیں اور ہمیں کوئی اختیار نہیں کہ محکمہ سراغرسانی کے کسی آدمی کو کسی ایسے پرخطر کام پر مامور کیا جائے۔"

"اور اس کے باوجود آپ نے ہمیں بلایا ہے۔" انسپکٹر جمشید عجیب سے انداز میں بولے۔

"ہاں۔" سعید گیلانی کھوئے کھوئے لہجے میں بولے۔

"کیا صدر صاحب کو بھی معلوم ہے کہ ہم اندر یہ باتیں کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

"ظاہر ہے، ان کے علم میں لائے بغیر یہ کام کسی کو کیسے سونپا جا سکتا ہے۔"

"اور کیا انہیں بھی یہی امید ہے کہ میں یہ کام کرنا منظور کر لوں گا۔"

"ہاں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم اس مہم پر جانے کے لیے تیار ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم دشمن ملک میں داخل کس طرح ہوں گے؟"

"اس کا انتظام کر دیا جائے گا۔ آپ لوگ میک اپ کے بعد اپنی تصاویر لے لیں۔ ان تصویروں والے پاسپورٹ بنوا دیے جائیں گے۔ یہاں سے آپ لوگ ایک ایسے ملک میں بھیجے جائیں گے جو بالکل غیر جانب دار ہے۔ یعنی اس کے تعلقات ہم سے بھی دوستانہ ہیں اور ہمارے دشمن ملک سے بھی۔ اس ملک میں آپ کو نئے پاسپورٹ مل جائیں گے۔ ان کی موجودگی میں آپ آزادانہ دشمن ملک میں داخل ہو سکیں گے۔"

"اور وہاں ہمیں پاسپورٹ کس طرح ملیں گے؟"

"یہ سب ہو جائے گا۔ آپ کا پہلا کام تو صرف یہ ہے کہ میک اپ کے بعد تصاویر لے کر مجھے دے دیں۔" سعید گیلانی نے کہا۔

"اچھی بات ہے، تصاویر کل آپ کو مل جائیں گی۔"

"اچھا تو پھر خدا حافظ، کیونکہ مجھے تو یہیں سے رخصت ہونا ہے۔ خیال رہے، اس کام کی کسی کو ہوا بھی نہ لگے۔ دشمن ملک کے جاسوس چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔" عالی شا نے فکرمند لہجے میں کہا۔

"آپ فکر نہ کریں، ہم بھی ہر طرح ہوشیار رہیں گے۔"

وہ صحن سے نکل کر باغ میں آ گئے۔ یہاں ایک بار پھر سب کو شربت وغیرہ پیش کیا گیا۔ آخر سعید گیلانی صاحب نے اعلان کیا کہ مہمان اب جانے کے لیے تیار ہیں؛ چنانچہ سب نے ان سے ہاتھ ملائے اور وہ وزیر دفاع کے ساتھ کار میں بیٹھ کر حفاظتی دستے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہ لوگ بھی کار میں بیٹھ کر ان کے پیچھے چل پڑے۔ صدر صاحب نے البتہ یہیں سے عالی شا سے اجازت لے لی تھی۔ ان کی طبیعت قدرے ناساز تھی؛ تاہم باہر نکلتے وقت انہوں نے انسپکٹر جمشید کا بازو دباتے ہوئے کہا تھا:

"مجھے امید ہے، تم نے انکار نہیں کیا ہوگا۔"

"انکار کر بھی کیسے سکتا ہوں جناب عالی، اس ملک کے لیے

تو سب کچھ حاضر ہے۔" انہوں نے دبی دبی آواز میں کہا۔

"تمہاری خدمات اس ملک کے لوگ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔" صدر صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شکریہ جناب۔" وہ بولے اور پھر صدر صاحب اپنی کار کی طرف بڑھ گئے۔

مہمان کو رخصت کر کے وہ گھر کی طرف واپس چلے۔

"ابا جان، کیا آپ یہ سراغ لگانے کی کوشش نہیں کریں گے کہ لائبریری میں ہونے والی گفتگو آس پاس کے کس گھر میں سننے کی کوشش کی گئی تھی۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"اس وقت نہیں، ہمارے دشمن ملک نے عالی شا کے آتے ہی اپنے جاسوس ان کے پیچھے لگا دیے ہوں گے اور انہوں نے ہر خاص جگہ ہونے والی گفتگو سننے کے انتظامات کر رکھے ہوں گے۔ یا کم از کم جب انہیں اس تقریب کے بارے میں معلوم ہوا ہوگا تو انہوں نے اس جگہ آلات نصب کر دیے ہوں گے۔ اس کام کے لیے انہوں نے ضرور گھر کے کسی ملازم کو زبردست قسم کا لالچ دیا ہوگا، جس نے آلہ فون لگایا ہوگا، لیکن اب جب کہ وہ کوئی گفتگو نہیں سن سکے ہوں گے تو وہ اپنی ناکامی کی رپورٹ ہی آگے بھیج سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں، پہلے وہ ناکامی کی رپورٹ آگے بھیج دیں اور پھر ان پر ہاتھ ڈالوں، یا ہو سکتا ہے،

ہاتھ نہ ہی ڈالوں اور انہیں آزاد ہی رہنے دوں اور ان کی نگرانی شروع کرا دوں؛ فی الحال تو ہم اس ملازم کو بھی کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں؛ ورنہ ہماری آئندہ مہم میں خطرات اور بھی زیادہ ہو جائیں گے۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"تب پھر اس سلسلے میں چھان بین کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"اس کی ضرورت ہے۔ ان کی نگرانی کرانے کے بعد ہی ہمیں یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ ہماری اس تقریب میں شرکت کو کس نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ دراصل سعید گیلانی سے غلطی یہ ہوئی کہ ہمیں باقاعدہ دعوت نامہ بھیج دیا۔ اگر وہ خفیہ طریقے سے شرکت کی دعوت دیتے تو ہم اپنے گھر سے کسی اور مقام کے لیے روانہ ہو جاتے۔ اس طرح نگرانی کرنے والوں کو کوئی شک نہ ہوتا اور اس مقام سے ہم میک اپ میں واپس لوٹتے اور تقریب میں شریک ہو جاتے۔ خیر کوئی بات نہیں، دیکھا جائے گا۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا، ایک عدد کیس ہمیں ملنے والا ہے۔"

"پیچھے کا خیال رکھنا، کوئی کار ہمارے تعاقب میں تو نہیں۔"

"ایک نیلی کار بہت دیر سے ہمارے پیچھے ہے، لیکن میں

یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ تعاقب کر رہی ہے یا نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"اچھا تو میں رفتار کم کر رہا ہوں۔ اگر اس کار کی رفتار بھی کم ہوتی محسوس کرو تو پھر وہ ضرور ہمارے تعاقب میں ہو گی۔" انہوں نے کہا اور رفتار کم کر دی۔ چند لمحے تک تینوں درمیانی فاصلے کا جائزہ لیتے رہے۔ وہ پہلے تو کم ہوتا چلا گیا، پھر نیلی کار کی رفتار کم ہونے کے باعث اتنا ہی ہو گیا، جتنا پہلے تھا۔

"اب میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ نیلی کار ہمارے تعاقب میں ہے۔" فرزانہ نے پرجوش انداز میں کہا۔

"ویری گڈ۔ سنو، میں اپنی کار ایک سڑک پر موڑنے والا ہوں، اس سڑک پر آگے چل کر ایک ٹیکسی سٹینڈ آتا ہے۔ میں عین اس ٹیکسی سٹینڈ کے پاس کار چند سیکنڈ کے لیے روکوں گا۔ محمود تم نظر بچا کر نیچے اترنے کی کوشش کرو گے، اس کے بعد میں آگے چل دوں گا۔ نیلی کار پھر ہمارے تعاقب میں روانہ ہو جائے گی۔ تم ایک ٹیکسی پکڑ کر نیلی کار کے تعاقب میں روانہ ہو جاؤ گے۔ جب میں یہ بات محسوس کر لوں گا کہ تم تعاقب شروع کر چکے ہو اور مناسب فاصلے پر آ گئے ہو تو میں ٹیکسی گھر کی طرف موڑ دوں گا۔ اس کے بعد تم یہ معلوم کرو گے کہ نیلی کار کہاں جاتی ہے۔ اس میں بیٹھا ہوا آدمی کس مکان میں داخل ہوتا ہے۔ بس اس سے زیادہ تمہیں کچھ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ سیدھے گھر چلے آنا۔"

"جی بہتر۔" محمود بولا۔

ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے کار ایک ذیلی سڑک پر موڑ دی اور اس طرف سے نکل کر ایک دوسری سڑک پر آ گئے۔ انھوں نے رفتار کم کرتے ہوئے کہا:

"محمود، ہوشیار ہو جاؤ۔"

"جی بہتر۔"

"اچھا بھائی محمود، خدا حافظ۔۔۔ نہ جانے اب تم سے کب ملاقات ہو۔" فاروق نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔۔۔ ساتھ ہی مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"بھئی، میں صرف نیلی کار کے تعاقب میں جا رہا ہوں، کسی راکٹ کے تعاقب میں نہیں۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔ اس نے ہاتھ ملانے کی بھی کوشش نہیں کی۔

"میں تمھاری عادت سے اچھی طرح واقف ہوں۔۔۔ مجھے ڈر ہے، تم دور نہ نکل جاؤ۔" فاروق مسکرایا۔

"فکر نہ کرو، تمھارا ڈر بے بنیاد ثابت ہوگا۔" محمود بولا۔

"چلو اترو۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔۔۔ اسی وقت انھوں نے کار روک لی تھی اور ایسی جگہ روکی تھی کہ پیچھے سے آنے والی کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔۔۔ محمود نے دروازہ کھولا اور باہر چھلانگ لگا دی۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً کار آگے بڑھا دی۔

"ابا جان، تعاقب کرنے والے کو یہ محسوس ہو جائے گا کہ آپ نے ہم میں سے ایک کو اتارا ہے۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"اوہ ہاں، تمھارا خیال ٹھیک ہے، لیکن اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"فرزانہ کے سر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

"کیا کہتے ہو، کوئی کام کی بات نہیں سوجھ سکتے تو خاموش ہی رہا کرو۔"

"تو پھر فرزانہ سے کہیے، میرے کندھے سے سر لگا دے اور سوتی بن جائے۔" فاروق نے ہنسی کی۔

"اس سے کیا ہوگا؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"ہوگا یہ کہ تعاقب میں آنے والا خیال کرے گا، پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے بچوں کو نیند نے آ گھیرا ہے۔۔۔ ان میں سے ایک تو شاید سیٹ پر لیٹ گیا ہے اور دوسرے نے تیسرے کے کندھے سے سر لگا دیا ہے۔"

"میرا خیال ہے، اس ترکیب پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کوئی فائدہ نہیں ہوگا تو نقصان بھی نہیں ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔۔۔ فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا اور فاروق کے کندھے سے سر لگا دیا۔

"خدا کا شکر ہے، میری بھی کوئی ترکیب قابل عمل معلوم ہوئی، ورنہ اس چیز کا ٹھیکہ تو بس فرزانہ نے ہی لے لیا ہے۔"

"اچھا بس، خاموش رہو، شیخی میں نہ آؤ۔"

"کار میں بیٹھا ہوں، شیخی میں کس طرح آ سکتا ہوں۔" فاروق بولا۔

"میرا خیال ہے۔ محمود کی ٹیکسی نے تعاقب شروع کر دیا ہے۔ نیلی کار کے پیچھے ایک ٹیکسی یکساں فاصلے پر آ رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ فاروق نے بھی نظر ڈالی اور پھر سر ہلاتے ہوئے بولا:

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

"تو پھر اب ہم گھر کا رخ کرتے ہیں۔"

"لیکن ابا جان، تعاقب کرنے والے کے ذہن میں یہ سوال ضرور ابھرے گا کہ آپ اس سڑک پر کیوں آئے تھے؟" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"اوہ ہاں، ہمیں یہاں سے کوئی چیز خرید لینی چاہیے۔ میں کسی دکان کے سامنے کار روکوں گا۔ تم اندر رہنا، پھر میں دکان سے ایک پیکٹ اٹھائے باہر نکلوں گا۔"

"یہی میں کہنا چاہتی تھی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا ہے کہ ترکیبیں بنانے کا ٹھیکہ لے

رکھا ہے تم نے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"تو اس میں انگارے چبانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"انگارے چبانا ہے میرا جوتا۔"

"دیکھیے ابا جان، یہ میری جوتی پر اعتراض کیے جا رہا ہے۔" فرزانہ نے شریر انداز میں کہا۔

"بڑی بات ہے فاروق، کم از کم تمہیں فرزانہ کی جوتی کو تو معاف ہی کر دینا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بھی مسکرائے۔

"بہت بہتر۔ اے فرزانہ کی جوتی، میں نے تمہیں معاف کیا۔"

"اگر اس وقت محمود کار میں ہوتا تو ضرور دھت تیرے کی کہتا۔" فرزانہ بولی۔

"چلو اس کی کمی تم پوری کر دو۔"

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے بریک لگائے، پھر وہ کار سے اترے اور ایک دکان کی طرف بڑھے۔

"بھئی فرزانہ، تم نے جب سے اپنا سر میرے کندھے سے لگایا ہے، مجھے بھی نیند کے جھونکے آنے لگے ہیں۔" فاروق بولا۔

"تو تم ذرا دیر کے لیے نیند لے لو، کسی نے روکا ہے۔"

"اچھا، شکریہ۔ ابا جان آئیں تو بتا دینا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے نیند کی آغوش میں چلا گیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، اگر ان کے آنے تک میں جاگتی رہی تو ضرور

بتادوں گی۔" فرزانہ نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"ارے! تو کیا تمہیں بھی نیند آ رہی ہے۔"

"ہاں، نہ جانے کیا بات ہے۔ کہیں تقریب والے کھانے میں کوئی نیند لانے والی چیز تو شامل نہیں تھی؟" فرزانہ بولی۔

"اوہ، ایسا ہو تو سکتا ہے، اگر سعید گیلانی صاحب کی لائبریری میں ڈکٹا فون پہنچ سکتا ہے تو پھر کھانوں میں ایسی کوئی چیز کیوں شامل نہیں ہو سکتی۔"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ خیر کوئی بات نہیں، ابا جان خود ہی نبٹ لیں گے۔" یہ کہہ کر فاروق نے آنکھیں بند کر لیں۔ فرزانہ اس سے پہلے ہی آنکھیں بند کر چکی تھی۔

چند منٹ بعد کار چل پڑی۔ وہ غنودگی کے عالم میں ہی تھے۔ تھوڑی دیر بعد فرزانہ کو کچھ خیال آیا۔ اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور پھر بری طرح چونکی۔

نئی صورت

محمود کی ٹیکسی نیلی کار کا تعاقب کر رہی تھی۔ اچانک اس نے نیلی کار کو رکتے دیکھا۔ اس نے اگلی کار کو دیکھا تو وہ بھی ایک دکان کے سامنے رک گئی تھی۔

"ڈرائیور صاحب، آپ بھی ذرا ٹیکسی روک لیں۔"

"یہ کیا چکر ہے جناب۔"

"چکر بہت گہرا ہے، آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے بے فکری کے انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور ٹیکسی روک دی۔ اسی وقت محمود نے اپنے والد کو کار سے نکل کر ایک دکان میں جاتے دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ اس کے والد درمیان میں کیا کرنے لگ گئے۔ ابھی اس کے والد کو دکان میں گئے چند سیکنڈ بھی نہیں ہوئے تھے کہ نیلی کار کی پچھلی سیٹ سے دو آدمی اترے اور ان کی کار کی طرف بڑھے۔ دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔ وہ دونوں

ان کی کار کی سیٹوں پر بیٹھ رہے تھے — اس کے دیکھتے ہی دیکھتے کار چل پڑی — ساتھ ہی نیلی کار حرکت میں آئی اور ان کی کار کے پیچھے روانہ ہو گئی —

اس کی سٹی گم ہو گئی — وہ تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھا — اس کے سامنے دو راستے تھے — یا تو فوراً دوڑ کر دکان میں گھس جاتا اور اپنے والد کو نئی صورتِ حال کی اطلاع دیتا یا پھر خود ان کے تعاقب میں روانہ ہو جاتا — پہلی صورت میں خطرہ تھا کہ اس دوران میں دونوں کاریں غائب نہ ہو جائیں، لہٰذا اس نے خود ہی ان کے تعاقب میں روانہ ہونا مناسب خیال کیا۔

"ڈرائیور صاحب، جلدی کریں، نیلی کار چل پڑی ہے۔ فوری طور پر اس کا تعاقب شروع کر دیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔" ڈرائیور نے کہا اور ٹیکسی چلا دی۔

محمود کو حیرت تھی کہ کار میں بیٹھے فاروق اور فرزانہ کو کیا ہو گیا ہے — انھوں نے ان دونوں کی یہ حرکت خاموشی سے کس طرح برداشت کر لی — تعاقب جاری رہا — ان کی کار اور نیلی کار جلد جلد موڑ پر موڑ مڑ رہی تھی — محمود کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا — الجھن بڑھ گئی۔ تقریباً بیس منٹ بعد ان کی کار شہر سے باہر جانے والی سڑک پر دوڑ رہی تھی اور نیلی کار اس کے پیچھے تھی — ڈرائیور بری طرح جھلایا ہوا تھا۔ آخر کہہ ہی اٹھا:

"آخر یہ تعاقب کب ختم ہوگا؟"

"اب تو شاید ختم ہونے ہی والا ہے، کیونکہ ہم شہر سے باہر نکل رہے ہیں۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"کہیں آپ کے ساتھ میں بھی کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں۔" وہ بڑبڑایا۔

"فکر نہ کرو، جوں ہی شہر سے باہر کسی جگہ یہ دونوں کاریں رکیں، میں آپ کو چھٹی دے دوں گا۔" محمود بے دلی سے مسکرایا، کیونکہ اس کا مسکرانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا —

آخر شہر سے باہر ایک تنگ سی پگڈنڈی پر ان کی کار مڑ گئی — اس کے بعد نیلی کار بھی مڑ گئی — دونوں کاریں ڈگمگا کر چل رہی تھیں — رفتار بہت کم تھی —

"اب، میں اپنی ٹیکسی اس کچے راستے پر تو نہیں ڈالوں گا۔" ڈرائیور نے جھنجلا کر کہا —

"اچھا بھائی، مجھے یہیں اتار دو — یہاں سے میں ان کا پیدل ہی تعاقب شروع کرتا ہوں — یہ لو اپنے بل کی رقم۔" اس نے بل سے کچھ زائد رقم دیتے ہوئے کہا، کیونکہ وہ ٹیکسی شہر سے باہر لے آیا تھا اور یہاں سے اسے کوئی سواری ملنے کی قطعاً امید نہیں تھی —

"شکریہ۔" اس نے منہ بنا کر کہا اور گاڑی واپس موڑنے لگا

محمود نے پگ ڈنڈی کا راستہ لیا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ کاروں کے چلنے کی وجہ سے پگ ڈنڈی گرد میں چھپ گئی تھی اور نیلی کار بہت دھندلی سی دکھائی دے رہی تھی۔۔۔ ادھر سورج غروب ہو چکا تھا اور اندھیرا چھانے لگا تھا۔۔۔ اس چیز نے اسے اور بھی پریشان کر دیا تھا۔۔۔

پانچ منٹ تک پیدل چلنے کے بعد اسے دونوں کاریں ایک جگہ رکیں نظر آئیں۔۔۔ یہاں ایک بہت پرانا مکان تھا۔ مکان بہت بڑا تھا، شاید کسی جاگیردار کا بنوایا ہوا تھا۔ اب دونوں کاروں میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔۔۔ فاروق اور فرزانہ بھی نہیں تھے۔۔۔ اس نے دیکھا، مکان کا دروازہ بند تھا۔ وہ آگے بڑھا اور دروازے پر دباؤ ڈالا، لیکن اسے اندر سے بند کر دیا گیا تھا۔ اب اس نے مکان کے گرد ایک چکر لگایا، لیکن اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ دکھائی نہ دیا۔۔۔ دیواریں بہت اونچی تھیں۔ کھڑکیاں بھی بہت اونچائی پر تھیں اور ان میں سلاخیں لگی تھیں۔۔۔ محمود سوچ میں ڈوب گیا کہ کیا کرے۔۔۔ آخر ایک بار پھر وہ صدر دروازے کی طرف چل پڑا۔۔۔



انسپکٹر جمشید دکان سے باہر نکلے تو ان کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پیکٹ تھا، لیکن باہر کار کو غائب پا کر وہ چکرا گئے۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا، لیکن کار دور دور تک نظر نہ آئی، نہ ہی اس کے پیچھے والی نیلی کار کہیں نظر آئی اور حد تو یہ کہ محمود والی ٹیکسی بھی آس پاس کہیں موجود نہیں تھی۔ اب تو وہ گھبرا گئے۔۔۔ بات ان کے پلے نہیں پڑی تھی۔ وہ حیران تھے کہ چند منٹ میں یہ ہو کیا گیا ہے۔۔۔ انہوں نے پیکٹ دکاندار کے پاس بطور امانت چھوڑا اور ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روک کر اس میں بیٹھتے ہوئے بولے:

"سیدھے چلو۔"

ٹیکسی چل پڑی۔۔۔ وہ بہت دور نکل آئے، لیکن تینوں کاروں میں سے کسی کا بھی پتا نہ چلا۔۔۔ آخر واپس مڑے اور ایک دوسری سڑک پر چل پڑے۔۔۔ ادھر بھی ناکامی ہوئی۔ تیسری مرتبہ شہر سے باہر جانے والی سڑک پر نکل گئے۔۔۔ شہر سے باہر بھی وہ بہت دور تک ہو آئے، لیکن تینوں کاروں کو تو جیسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا۔۔۔ آخر مایوس ہو کر انہوں نے کہا:

"واپس شہر چلو بھائی، اب میں اور کر ہی کیا سکتا ہوں۔"

"کیا معاملہ ہے جناب؟" ڈرائیور نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

انہوں نے جلدی جلدی اسے بتایا کہ کس طرح سڑک سے

ان کی کار غائب ہو گئی اور یہ کہ کار میں ان کے دو بچے بھی تھے۔ بلکہ ایک ٹیکسی میں ان کا تیسرا بچہ اس کار کے تعاقب میں بھی تھا۔" یہ بتاتے ہوئے انہوں نے اپنا تعارف بھی کرا دیا۔

"پھر تو آپ کو ٹیکسیوں کے اڈوں سے معلوم کرنا چاہیے۔ کیا خبر وہ ٹیکسی واپس آ چکی ہو۔"

"اوہ، شاید آج میری عقل ماری گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے وہ ٹیکسی کس اڈے کی ہے۔ مجھے وہیں لے چلو۔" یہ کہہ کر انہوں نے اڈے کا پتا بتایا۔

اڈے پر پہنچ کر انہوں نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ محمود نے ٹیکسی اس وقت پورا ایک گھنٹا پہلے لی تھی۔ وقت کا اندراج رجسٹر میں موجود تھا۔ کلرک نے رجسٹر دیکھتے ہوئے بتایا:

"اس ٹیکسی کا نمبر ۵۴۲،۴۴ ہے۔ ابھی تک وہ واپس نہیں آئی، شاید اسے کوئی اور سواری مل گئی ہوگی۔"

"اس ڈرائیور کا نام کیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"تیمور علی۔" کلرک نے جواب دیا۔

انسپکٹر جمشید نے اپنا کارڈ نکال کر اسے دکھایا اور بولے:

"جونہی تیمور علی آئے، اس سے کہیے کہ مجھے اس نمبر پر فون کرلے۔" یہ کہہ کر انہوں نے کارڈ پر لکھے رہائشی فون نمبر

پر نشان لگا دیا۔

"جی بہت بہتر۔ وہ آتے ہی آپ کو فون کرے گا۔ فکر نہ کریں۔" کلرک نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

اب انسپکٹر جمشید گھر کا رخ کرنے کے سوا کر ہی کیا سکتے تھے! چنانچہ واپس روانہ ہوئے۔ بیگم نے انہیں تنہا دیکھ کر پوچھا:

"تینوں کو کہاں چھوڑ آئے؟"

"میں نہیں جانتا، وہ اس وقت کہاں ہیں۔" وہ بولے۔

"جی، کیا مطلب؟" وہ چونکیں۔

اس پر انہوں نے تفصیل سنا دی، لیکن یہ نہ بتایا کہ وزیرِ دفاع کے ہاں کیا بات چیت ہوئی ہے۔

"حیرت ہے، آپ کو بتائے بغیر وہ کہاں جا سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے، جب میں دکان میں داخل ہوا، اس وقت نیلی کار چل پڑی ہوگی اور آگے نکل گئی ہوگی۔ فاروق اور فرزانہ نے سوچا ہوگا کہ کیوں نہ اس کا تعاقب کیا جائے، لیکن نہیں، انہیں تعاقب میں روانہ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام تو پہلے ہی محمود کر رہا تھا، اگر ایسا ہوا ہوتا تو محمود تعاقب میں نکل جاتا اور فاروق دکان میں آ کر مجھے اطلاع دیتا۔ اس کا مطلب ہے، ضرور کچھ اور ہوا ہے اور نہ محمود کو مجھے خبردار کرنے کی

مہلت ملی اور ان دونوں کو۔"

"کہیں انہوں نے کوئی مصیبت تو مول نہیں لے لی" بیگم جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"نہیں، مول لینے کی انہیں کیا ضرورت تھی، مفت میں مل گئی ہو گی۔" انسپکٹر جمشید سوچ میں گم بے خیالی کے انداز میں بولے۔

"کیا آپ مذاق کے موڈ میں ہیں؟" بیگم نے انہیں بغور دیکھا۔

"نہیں تو، کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟" وہ حیران ہو کر بولے۔

"شاید آپ بہت پریشان ہیں۔ اطمینان سے بیٹھ جائیے۔ اور ٹھنڈے دل سے غور کریں۔" بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو، ذرا میرے لیے چائے بنا لاؤ۔"

"چائے، آپ اس وقت چائے پئیں گے؟"

"ہاں، سر میں درد محسوس کر رہا ہوں۔" انہوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ بیگم نے انہیں اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ پریشان ہو گئیں اور پھر چائے بنانے چلی گئیں۔ جب وہ چائے بنا کر باہر آئیں تو انہوں نے دیکھا، انسپکٹر میز پر سر رکھے سو رہے تھے۔

"ارے۔ کیا سو گئے؟" ان کے منہ سے نکلا۔

انسپکٹر جمشید نے کوئی جواب نہ دیا۔ بیگم نے چائے کی ٹرے میز پر رکھ کر ان کا شانہ پکڑ کر ہلایا، لیکن وہ تو گہری نیند سو رہے تھے۔ اب تو ان کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ ان کے گھر کا کوئی فرد بھی بے وقت سونے کا عادی نہیں تھا۔ ابھی سونے کا وقت نہیں ہوا تھا، پھر بھلا وہ کیوں سو گئے۔ وہ بھی پریشانی کے عالم میں۔ جب کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی تلاش کا مسئلہ سامنے تھا۔ انہوں نے سوچا، ضرور کوئی بات ہے۔ چنانچہ انہوں نے ڈاکٹر انصاری کے گھر کے نمبر ڈائل کیے، کیونکہ ان کے مطب کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ سلسلہ جلد ہی مل گیا۔

"ہیلو انصاری صاحب، میں بیگم جمشید بول رہی ہوں۔ فوراً تشریف لائیے۔ انسپکٹر صاحب کی طبیعت خراب ہے۔"

"اوہ، میں آ رہا ہوں۔" انہوں نے کہا اور بیگم جمشید نے ریسیور رکھ دیا۔ اور ایک بار پھر انسپکٹر جمشید کی طرف مڑی ہی تھیں کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انہوں نے چونک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو، میں نیشنل ٹیکسی سٹینڈ سے ڈرائیور تیمور علی بول رہا ہوں جناب۔ آپ انسپکٹر جمشید ہیں نا؟"

"یس" انھوں نے مردانہ آواز بنا کر کہا۔

"تو پھر سنیے۔ میں اس لڑکے کو لے کر نیلی کار کے تعاقب میں روانہ ہوا تھا۔ لڑکے کی ہدایت یہی تھی۔ نیلی کار آخر کار شہر سے باہر پہنچ گئی اور پھر جنگل میں ایک کچے راستے پر مڑ گئی، اس کے بعد لڑکا ٹیکسی سے اتر گیا۔ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے جناب؟"

"نہیں، سڑک کا نام بتاؤ اور یہ بھی کہ کچا راستہ شہر سے کتنے میل کے فاصلے پر رہا ہوگا۔" انھوں نے بدستور آواز کو موٹا اور بھاری بناتے ہوئے کہا۔

"جنوبی سڑک تھی اور کچا راستہ تقریباً دسویں میل پر تھا۔"

"شکریہ۔" یہ کہہ کر بیگم جمشید نے ریسیور رکھا۔ پھر کچھ سوچ کر دفتر کے نمبر گھمائے۔ چوکیدار کے ذریعے اکرام کو فون پر بلایا اور بولیں:

"ہیلو اکرام، تمہارے انسپکٹر صاحب اس وقت گھر میں بے ہوش پڑے ہیں اور محمود، فاروق اور فرزانہ شہر کی جنوبی سڑک کے دسویں میل کے قریب ایک کچے راستے پر کہیں موجود ہیں۔ مہربانی فرما کر اس طرف روانہ ہو جاؤ۔ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ ہوں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ٹھہرو، میں تمہیں تفصیل سناتی ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے وہ سب کچھ اسے بتا دیا جو انھیں معلوم تھا۔

"عجیب معاملہ ہے۔ خیر میں اسی وقت روانہ ہو رہا ہوں۔ آپ ایسا کریں کہ خان رحمان صاحب کو بھی گھر بلا لیں، کیونکہ میں خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ یہ مناسب رہے گا۔" سلسلہ کاٹ کر انھوں نے خان رحمان کے نمبر ڈائل کیے، جلد ہی ان کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے جلدی جلدی انھیں بھی حالات سے آگاہ کیا۔ جواب میں انھوں نے کہا کہ وہ آ رہے ہیں۔

وہ اکیلی انسپکٹر جمشید کو اٹھا کر بستر تک لے جانے کے قابل نہیں تھی، اس لیے انھیں جوں کا توں رہنے دیا، البتہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ انھیں شانے سے پکڑ کر ہلاتی رہیں اور آوازیں دیتی رہیں۔ یہاں تک کہ دروازے کی گھنٹی بجی اور وہ یہ سوچ کر کہ ڈاکٹر انصاری آئے ہیں، دروازہ کھولنے کے لیے چل پڑیں۔ دروازہ کھولتے ہی انھیں ایک اجنبی ڈاکٹر نظر آیا۔

"ڈاکٹر انصاری نہیں آ سکیں گے۔ گھر سے نکلتے ہوئے ان کے پاؤں میں موچ آ گئی۔ میں ان کا اسسٹنٹ ہوں، لہٰذا انھوں نے مجھے بھیجا ہے۔ اب انسپکٹر صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟"

"لیکن میں نے آپ کو ڈاکٹر انصاری کے مطب میں کبھی نہیں دیکھا۔" بیگم جمشید الجھ کر بولیں۔

"مجھے انہوں نے صرف پندرہ دن پہلے ہی ملازم رکھا ہے۔"

"خیر، اندر تشریف لے آئیے۔" وہ بولیں۔

ان کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ انہیں اکرام کے الفاظ بھی یاد آئے ـــ خان رحمان کو بلالیں ـ میں خطرے کی بو محسوس کر رہا ہوں ـــ تو کیا ہم سب خطرے کی لپیٹ میں ہیں ـ انہوں نے سوچا اور نوجوان ڈاکٹر کو بغور دیکھنے لگیں ـــ وہ انسپکٹر جمشید کی نبض دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ان کی آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر پتلیوں کو دیکھا اور پھر سیدھا ہوتا ہوا بولا:

"یہ مکمل طور پر بے ہوش ہیں ـــ ابھی تک میں بے ہوشی کی وجہ نہیں سمجھ سکا ـــ بہر حال میں ایک انجکشن دے کر دیکھتا ہوں ـــ اس کے بعد ان کا باقاعدہ معائنہ کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" بیگم جمشید بولیں، پھر فون کی طرف بڑھیں اور نمبر گھمانے لگیں۔

نوجوان ڈاکٹر نے ان کی طرف دیکھا اور بولا:

"آپ کسے فون کر رہی ہیں؟"

"انسپکٹر صاحب کے دوست کو ـــ ان حالات میں یہاں کسی ہمدرد کی موجودگی ضروری ہے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

سلسلہ ملتے ہی بیگم جمشید نے ریسیور میں کہا:

"ہیلو، میں بیگم جمشید بول رہی ہوں ـــ ابھی ابھی میں نے فون کیا تھا اور بتایا تھا کہ انسپکٹر جمشید صاحب بے ہوش ہو گئے ہیں ـــ آپ آرہے ہیں یا نہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب تو کب کے روانہ بھی ہو چکے ہیں بیگم جمشید۔" دوسری طرف سے ڈاکٹر صاحب کی بیگم نے جواب دیا اور بیگم جمشید کا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ انہوں نے فوراً کہا:

"بہت بہتر، شکریہ۔" یہ کہہ کر ریسیور رکھ کر نوجوان ڈاکٹر کی طرف دیکھا تو وہ سرنج میں سرخ رنگ کی دوا بھر رہا تھا۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا، اتنا وقت نہیں تھا کہ کمرے سے پستول اٹھا لاتیں ـــ اس دوران وہ انجکشن لگا سکتا تھا۔ آخر انہوں نے چائے دانی ہاتھ میں اٹھالی ـــ اس میں گرم گرم چائے موجود تھی، پھر وہ جھنکارتی ہوئی آواز میں بولیں:

"مسٹر ڈاکٹر، تم یہ انجکشن انہیں نہیں لگاؤ گے۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے چائے دانی کا ڈھکنا اٹھا دیا۔

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر چونکا۔

"اس لیے کہ ڈاکٹر انصاری کے پاؤں میں کوئی موچ نہیں آئی اور انہوں نے کوئی نیا اسسٹنٹ نہیں رکھا، لہٰذا تم نقلی ڈاکٹر ہو

"آپ کا خیال تو واقعی ٹھیک ہے — پھر میں انجکشن نہیں لگاتا۔" یہ کہہ کر وہ چند قدم پیچھے ہٹ گیا —

دراصل وہ چائے دانی ان کے ہاتھ میں دیکھ کر ان کا ارادہ بھانپ گیا تھا — پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے اچانک جیب میں ہاتھ ڈال دیا —

"خبردار، میں یہ گرم چائے تمہارے اوپر پھینک دوں گی۔" بیگم جمشید نے گھبرا کر کہا، لیکن اتنی دیر میں وہ پستول نکال چکا تھا —

"میرا خیال ہے، اب تو میں انجکشن لگا سکتا ہوں۔" وہ زہریلے انداز میں مسکرایا —

"نہیں، تم اب بھی ایسا نہیں کر سکو گے۔" وہ بولیں —

"چائے دانی فرش پر پھینک دو ! ورنہ میں گولی تمہارے جسم میں اتار دوں گا۔"

"تم شوق سے فائر کرو — چائے دانی نیچے نہیں گرے گی۔"

"دیکھو، میں بہت بے رحم ہوں۔"

"یہ تو صاف ظاہر ہے — زہر کا انجکشن لگانے والے رحم دل تو نہیں ہوا کرتے۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے چائے دانی اس طرح پکڑ لی جیسے کسی وقت بھی چائے اچھال دیں گی —

"اچھا تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ — پہلے میں تمارا خاتمہ

کروں گا اور پھر انسپکٹر جمشید کے جسم میں زہر داخل کروں گا۔"

"تم ایسا کیوں چاہتے ہو ؟"

"اپنے ملک کے لیے — یہ شخص ہمارے ملک کے لیے بہت خطرناک ہے۔" اس نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے، تم گولی چلاؤ، میں تمہارے اوپر چائے پھینکتی ہوں۔" بیگم جمشید بولیں —

نوجوان ڈاکٹر کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگی — بیگم جمشید نے سوچا، اس سے پہلے کہ وہ گولی چلائے، مجھے چائے پھینک دینی چاہیے — یہ سوچ کر ان کا ہاتھ حرکت میں آیا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی — دونوں زور سے چونکے — نقلی ڈاکٹر نے پریشان ہو کر بیگم جمشید کی طرف دیکھا —

"یہ کون آ گیا ؟" اس نے سرگوشی کی —

"میں کیا کہہ سکتی ہوں — لیکن ایک بات ظاہر ہے اور وہ یہ کہ تم مصیبت میں پھنس گئے ہو۔"

"تم جا کر دروازہ کھولو — میں دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوں گا — اگر تم نے اندر آنے والے کو کوئی اشارہ وغیرہ کرنے کی کوشش کی تو میں گولی چلا دوں گا۔"

"وہ تو تم پہلے ہی چلانے والے تھے — اس میں نئی کیا بات ہے اور تم نے دیکھ ہی لیا ہو گا کہ میں ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھی۔" وہ

نقاب والا

"ارے، یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔" فرزانہ کے منہ سے خوفزدہ انداز میں نکلا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" فاروق نے نیند کے عالم میں کہا۔

"کار ابا جان نہیں چلا رہے۔"

"کمال ہے، تو پھر یہ کس طرح چل رہی ہے۔" فاروق نے ہنس کر کہا۔ اس حالت میں بھی اس کی آنکھیں بند ہی رہیں۔

"کار کوئی اور چلا رہا ہے۔" فرزانہ نے کہا، لیکن جواب میں فاروق کی آواز سنائی نہ دی۔ تو اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا، کیونکہ اس کی آنکھیں بھی نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئے جا رہی تھیں۔

"ارے۔ تت۔ تم سو گئے۔ اچھا سو جاؤ، مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ کار چل تو رہی ہے نا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی گردن ڈھلک گئی۔ بوش

بولیں۔

"اب باتیں نہ بناؤ، چل کر دروازہ کھولو۔"

بیگم جمشید چائے دانی ہاتھ میں لیے دروازے کی طرف بڑھیں، نقلی ڈاکٹر ان کے پیچھے چلا اور پھر دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بیگم جمشید نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا۔ ساتھ ہی وہ دعا کر رہی تھیں کہ آنے والے خان رحمان ہوں۔ ایک سے دو بھلے رہتے۔ دروازہ کھلتے ہی انہوں نے دیکھا۔ خان رحمان پریشان صورت لیے کھڑے تھے۔

"اب کیا حال ہے بھابی!"

"ابھی تو وہی حال ہے۔ آیئے اندر۔" انہوں نے اطمینان سے کہا۔ خان رحمان اندر داخل ہوئے۔ فوراً ہی انہوں نے ایک آواز سنی۔

"دروازہ اندر سے بند کر کے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

خان رحمان نے بوکھلا کر دیوار کی طرف دیکھا اور پھر دھک سے رہ گئے۔

آیا تو خود کو ایک بند کمرے میں بند پایا۔۔ اس کے پاس ہی فرش پر فاروق بیٹھا ہوا تھا۔

"فاروق، کیا تم ابھی تک نیند میں ہو؟"

"کون کہتا ہے، میں نیند میں ہوں۔" فاروق آنکھیں بند کیے بولا۔

"کچھ پتا بھی ہے، ہم کہاں ہیں؟"

"ہم وہاں ہیں، جہاں سے ہم کو بھی کچھ اپنی خبر نہیں آتی۔" فاروق گنگنایا۔

"اوہو، شاید شاعری کا بھوت سوار ہوگیا ہے تم پر۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"شاید شاعری کا نہیں، صرف شاعری کا۔۔ شاید میں نشے میں ہوں اور جب کوئی نشے میں ہوتا ہے تو اسے شاعری ہی سوجھا کرتی ہے۔" فاروق اسی حالت میں بولا۔

"لیکن مجھے تو نہیں سوجھ رہی۔"

"تم میں تو شاعری کی حس ہی نہیں ہے۔"

"تو شاعری کی بھی حس ہوتی ہے؟" فرزانہ بولی۔

"ہاں، تم اسے ساتویں حس کہہ سکتی ہو۔"

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز گونجی۔۔ فاروق نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔۔ دونوں نے دیکھا، کمرے میں داخل ہونے والے

تین آدمی تھے۔۔ ان میں سے دو وہی تھے جو ان کے لیے دعوت نامہ لے کر آئے تھے۔۔ یعنی وزیر دفاع کے آدمی۔ تیسرے کے چہرے پر ایک نقاب تھی۔۔

"ارے ابا جان، یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"تم ٹھیک ہی دیکھ رہے ہو۔۔ ہمیشہ گھر کے بھیدی لنکا ڈھایا کرتے ہیں۔۔ اگر ہم نے ان لوگوں کو ڈکٹا فون پر گفتگو سننے دی ہوتی تو یہ ہمیں یہاں کبھی نہ لاتے۔"

"تم نے ٹھیک کہا لڑکی۔" تیسرا آدمی گرجدار آواز میں بولا۔ انہیں اس کی آواز جانی پہچانی سی لگی۔۔

"جب وزیر دفاع کے اپنے خاص آدمیوں ہی میں کچھ غدار شامل ہوں تو معاملہ راز کس طرح رہ سکتا ہے۔ یہی لوگ تو انتظامات کرنے کے ذمہ دار تھے، پھر لائبریری میں ڈکٹا فون کس طرح نہ لگتا، کھانے میں نشہ آور دوا کیسے نہ شامل ہوتی۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔۔

"تو کیا سارے کھانے میں نشہ آور دوا شامل تھی؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔۔

"شاید صرف ہمارے کھانے میں۔" فرزانہ بولی۔۔

"کیوں بھائی، کیا یہ ٹھیک ہے۔" فاروق نے ان تینوں

کی طرف دیکھا۔

"ہاں اس لڑکے کا نام فاروق ہے۔ بہت چرب زبان ہے۔"

"اوہو! میں نے اس کا نام بہت سنا ہے۔ خیر انہیں بتادو ہم کیا چاہتے ہیں۔" نقاب والے نے کہا۔

"یہ تو میں پہلے ہی بتا چکی ہوں، تم وہ گفتگو جاننا چاہتے ہو جو ہمارے اور مہمان وزیر دفاع کے درمیان ہوئی ہے کیونکہ تم اسے سننے میں ناکام رہے ہو۔" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا لڑکی — فوری طور پر وہ گفتگو دہرادو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ تم وہ گفتگو کیوں جاننا چاہتے ہو۔ تمہارا اس معاملے سے کیا تعلق؟" فاروق بولا۔

"ہم تمہیں یہاں اس لیے نہیں لائے کہ تمہاری باتوں کے جوابات دیں، تم سے کچھ سننے کے لیے لائے ہیں۔"

"اور اس مکان کو تم نے کب سے اپنا ٹھکانہ بنا رکھا ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"فکر نہ کرو۔ یہ مکان ایک زمیندار کا ہے اور وہ زمیندار ہمارا بہت پرانا دوست ہے۔ ہم نے یہ مکان عارضی طور پر اس سے لے رکھا ہے۔" نقاب والا بولا۔

"تمہاری آواز جانی پہچانی لگ رہی ہے۔ ہم کہیں سن

چکے ہیں۔"

"بہت اچھی بات ہے۔" نقاب والے نے فکرمند ہو کر کہا۔

"اچھی بات ہے، تو اس میں فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"تم دونوں وہ گفتگو بتانے کے لیے تیار ہو یا نہیں۔"

"نہیں۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"چلو، ان کی زبان کھلوانے کی تیاری کرو۔ یہ اس طرح نہیں مانیں گے۔" نقاب والے نے کہا۔

"جی بہتر۔" انہوں نے کہا اور کمرے سے چلے گئے۔ ساتھ ہی نقاب والے کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے دونوں ساتھی کمرے میں داخل ہوئے تو ان کے ہاتھوں میں عجیب و غریب چیزیں تھیں۔

"یہ سب کیا ہے بھئی؟" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"زبان کھلوانے کا سامان۔"

"اوہو، ایسا ہوتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا۔"

"ابھی سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔" نقاب والے نے کہا۔

اس نے ان دونوں کو اشارہ کیا۔ دونوں نے نائیلون کی رسی کے پھندے ہاتھوں میں لیے اور ان کی طرف بڑھے۔ ایک نے کہا۔

"چلو کرسیوں پر بیٹھ جاؤ۔"

"اور اگر ہم نہ بیٹھیں تو؟" فاروق بولا۔

"تب پستول کی گولیاں تمہارا مزاج پوچھیں گی۔"

"کیوں بھئی فاروق کیا خیال ہے۔" فرزانہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے، ہم انہیں بغیر کسی محنت کے ہی بتا دیتے ہیں — پوچھو بھئی، کیا پوچھنا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ہائیں، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" فرزانہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔

"کک — کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟" فاروق ہکلایا۔

"ہم انہیں کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔" فرزانہ نے گویا فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"لیکن ایسی وہاں بات ہی کون سی ہوئی ہے، جسے پوشیدہ رکھا جائے — نہ ہم سے کوئی ایسا وعدہ لیا گیا کہ سعید گیلانی صاحب کے گھر ہونے والی گفتگو کسی کو نہیں بتائیں گے۔" فاروق نے حیرت بھرے انداز میں کہا۔

"اوہ واقعی، شاید میرا دماغ خراب ہو گیا ہے — واقعی ایسی تو کوئی بات ہی نہیں، جو چھپائی جائے۔" فرزانہ اس کی بات سمجھتے ہوئے جلدی سے بولی۔

"تو تم لوگ وہ گفتگو بتانے کے لیے تیار ہو۔" نقاب والے نے کہا۔

"ہاں، کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں — ہم پر کوئی پابندی بھی نہیں۔"

دراصل فاروق کا مطلب یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح وقت گزارا جائے — کیونکہ محمود ان کے تعاقب میں تھا ہی اور وہ جلد یا بدیر یہاں پہنچنے والا تھا — اس کے بعد ان کی طاقت میں اور اضافہ ہو جاتا — اور وہ ان لوگوں سے زیادہ اعتماد سے بات کر سکتے تھے۔

"تو پھر بتاؤ، سعید گیلانی، عالی شاہ اور تم لوگوں میں کیا باتیں ہوئیں — ہم جانتے ہیں، لائبریری میں تم لوگوں نے کوئی بات نہیں کی — شاید ڈکٹا فون دیکھ لیا گیا تھا، لہذا تم لوگوں نے کسی اور جگہ بات چیت کی ہو گی — ہم وہی گفتگو سننا چاہتے ہیں۔" نقاب والا جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"بہت خوب، ہم ہر بات بتانے کے لیے تیار ہیں، لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ ہم سے سوال کریں اور ہم جواب دیں، کیونکہ ہم نہیں جانتے، آپ گفتگو کا کون سا حصہ سننا چاہتے ہیں۔" فاروق نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اچھی بات ہے، ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ کیا مہمان وزیر خارجہ

نے تم لوگوں کے سامنے اپنے ملک کا کوئی مسئلہ رکھا تھا۔"

"نہیں۔" فاروق بولا۔

"پھر ان لوگوں نے تم سے علیحدگی میں ملاقات کیوں کی تھی؟" نقاب والے نے تنک کر کہا۔

"کون کہتا ہے، انہوں نے ہم سے ملاقات کی تھی۔ اور وہ بھی علیحدگی میں — وہ تو لائبریری دیکھنے کے لیے اٹھے تھے۔ ہمیں بھی دعوت دی گئی، لہٰذا ہم بھی لائبریری دیکھنے ان کے ساتھ چلے گئے۔ ہم نے لائبریری دیکھی اور واپس آ گئے۔" فاروق نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"بالکل غلط — ہم لائبریری میں ہونے والی گفتگو سنتے رہے ہیں — لائبریری سے نکلنے کے فوراً بعد تم لوگ باغ میں نہیں آئے تھے — بلکہ تقریباً پندرہ منٹ بعد آئے تھے — آخر ان پندرہ منٹ کے دوران کیا ہوتا رہا۔" نقاب والے نے جھنجلا کر کہا۔

"سیر۔" فاروق نے گنگنانے کے انداز میں کہا۔

"سیر۔ کیا مطلب؟"

"مائی ڈیئر باس، یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہے — تمہاری اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ سیر کا مطلب سیر ہی ہوتا ہے۔" فاروق کا لہجہ شوخ ہو گیا۔

"سمجھا، تم ہمارا وقت برباد کرنے پر تلے ہو۔ بتاؤ وتاؤ گے کچھ نہیں۔" نقاب والا غرایا۔

"بتاؤ تک تو بات ہو سکتی ہے، لیکن جہاں تک وتاؤ کا تعلق ہے، ہم کوئی بات کرنے کے لیے تیار نہیں، کیوں فرزانہ۔" اس نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"بالکل ٹھیک کہا فاروق تم نے، جی خوش کر دیا۔" فرزانہ واقعی خوش ہو کر بولی۔

"تمہارے تو فرشتے بھی بتائیں گے۔" نقاب والے کا ایک ساتھی جھلا کر بولا۔

"ہاں، فرشتوں کا معاملہ ذرا مختلف ہے — ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"چلو، ان دونوں کو رسی سے باندھ دو — یہ یوں نہیں مانیں گے۔"

"یہ تو بات طے ہے — تمہیں پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھی — ہم یوں تو کبھی مانتے ہی نہیں۔"

"حد ہو گئی — اس کی زبان گدی سے کھینچ لو۔" نقاب والا پھر چیخ کر بولا۔

"اس کے لیے پہلے تمہیں میرے تیز دانت کھولنا پڑیں گے اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہو گا۔"

"دو فائر کر کے تم دونوں کا کام تمام کر دینا ہمارے لیے ذرا بھی مشکل کام نہیں ہوگا۔" ایک ساتھی بولا۔

"حامد رانا اور اسلم مجبور، ان دونوں کی گفت گو اب میرے لیے ناقابل برداشت ہو چکی ہے۔"

"یہ مجھ پر سراسر الزام ہے۔ میں نے تو اس گفت گو میں بہت ہی کم حصہ لیا ہے۔" فرزانہ تڑسے بولی۔

"ہاں واقعی، لہٰذا دونوں گولیاں میرے سینے میں اتار دو۔"

"یوں نہیں۔ پہلے گیلانی ہاؤس میں ہونے والی ساری گفتگو تمہارے منہ سے سنیں گے اور اس کے بعد گولیاں تمہارے جسموں میں اتریں گی۔"

"اگر انجام کار ہمیں گولیاں کھانا ہیں تو پھر ہم کچھ کیوں بتائیں۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

اب تم دونوں کو زندہ چھوڑا بھی کیسے جا سکتا ہے، اس طرح تو ہمیں سعید گیلانی سے الگ ہونا پڑے گا۔" نقاب والا بولا۔

"واقعی تم لوگ تو مشکل میں پھنس گئے۔ اب کیا ہوگا۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہماری بجائے تم اپنی فکر کرو تو بہتر رہے گا۔"

"لیکن ہم تو پیدا ہی دوسروں کے لیے ہوئے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں، ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اب تک ان کا بھائی یہاں کیوں نہیں پہنچا۔"

"پہنچ تو چکا ہوگا۔ وہ احمق مکان کے اندر داخل ہونے کی ناکام کوشش کر رہا ہوگا۔ تم اس کا فکر نہ کرو۔ باہر کالے خان درختوں میں چھپا نگرانی کر رہا ہے، اگر اس نے واپس جانے کی کوشش کی تو موت اس کا مقدر ہوگی اور اگر اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا رہا تو اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اگر وہ صدر دروازے پر آ کر دروازہ کھٹکھٹائے گا تو ہم اس کا استقبال کرنے کے لیے حاضر ہیں ہی۔" نقاب والے نے سفاک لہجے میں کہا۔

فاروق اور فرزانہ فکر مند ہو گئے۔ اب تک وہ محمود کی طرف سے کسی مدد کے منتظر تھے، لیکن اب یہ امید بھی ٹوٹتی نظر آئی۔ اسی وقت وہ چونکے۔ مکان کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

خاص بچے

صدر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے محمود سوچ رہا تھا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہ صدر دروازے پر دستک دے اور دروازہ کھلنے پر اندر داخل ہو جائے، پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ کم از کم فاروق اور فرزانہ یہ تو محسوس نہیں کر سکیں گے کہ محمود انہیں مصیبت میں چھوڑ کر مکان کے باہر گھومتا رہا۔ اب تک اندھیرا کافی بڑھ گیا تھا۔ جنگل میں تو یوں بھی تاریکی زیادہ معلوم ہوا کرتی ہے۔ آخر دروازے پر پہنچ کر اس نے لوہے کا بھاری کنڈا دروازے پر زور زور سے مارنا شروع کیا، پھر جوابی کارروائی کے انتظار میں رک گیا۔ چند لمحے تک انتظار کرنے کے بعد اس نے یہی عمل پھر دہرایا۔ آخر قدموں کی چاپ سنائی دی، پھر دروازہ کھلا اور اندھیرے میں ایک آدمی نظر آیا۔ محمود کو اس کے چہرے کے نقوش صاف دکھائی نہ دیے۔

"کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟" اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

محمود نے کوئی جواب نہ دیا اور بے دھڑک اندر داخل ہو گیا۔ پھر چند قدم اندر جا کر پلٹا اور بولا:

"جن دو کو آپ لوگ پکڑ کر یہاں لائے ہو، میں ان کا بھائی ہوں، جہاں وہ ہوتے ہیں، میں بھی وہیں پہنچ جایا کرتا ہوں۔ اس لیے چلا آیا۔ امید ہے تم محسوس نہیں کرو گے۔"

"اوہ، تو تم ان کے بھائی ہو۔ آ جاؤ اندر۔" اس نے کہا اور دروازہ ایک بار پھر بند کر دیا۔

اندھیرے برآمدے میں چلتے ہوئے وہ ایک کمرے میں آئے، یہاں ایک بلب روشن تھا۔ فاروق اور فرزانہ پر نظر پڑتے ہی محمود نے اطمینان کا سانس لیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ سلامت ہو۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"اور تمہاری آمد کا بھی شکریہ۔ کہو کوئی مدد وغیرہ بھی لے کر آئے یا نہیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"نہیں، اکیلا ہی آیا ہوں۔ کیا معاملہ ہے۔ یہ لوگ تم دونوں کو یہاں کیوں لائے ہیں؟"

"یہ ہم سے سعید گیلانی کے دفتر میں ہونے والی وہ گفتگو سننا چاہتے ہیں جو ہوئی ہی نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہم نے لائبریری سے نکل کر مہمان وزیر دفاع سے کوئی خاص بات چیت

کی ہے۔"

"اوہو اچھا۔" محمود نے حیران ہو کر کہا اور ان تینوں کو پہلی مرتبہ غور سے دیکھا، پھر چونک کر بولا:

"ہائیں، ان میں سے دو تو وہ ہیں، جو ہمارے لیے دعوت نامہ لائے تھے۔"

"ہاں، انھوں نے ہی لائبریری میں ڈکٹا فون لگایا تھا۔"

"بہت خوب، چلو اچھا ہوا، ہمیں ان لوگوں کو تلاش نہیں کرنا پڑا۔" محمود خوش ہو کر بولا: "لیکن یہ تیسرے صاحب کون ہیں؟ انھوں نے اپنا چہرہ کیوں چھپا رکھا ہے۔"

"شاید شرماتے ہیں — ویسے ان کا نام باس ہے۔" فاروق نے کہا۔

"بہت اچھا نام ہے — یہ نام ہم اور بھی بہت سے لوگوں کے سن چکے ہیں — اور اس نام کے لوگ ہمیشہ ہی مجرمانہ ذہنیت کے ثابت ہوتے ہیں، اب دیکھیں، یہ کیسے ثابت ہوتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"حامد والا، کیا انھیں ان کی تقریر سننے کے لیے لایا گیا ہے؟" باس نے بھنا کر کہا۔

"نہیں باس، ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں، یہ لوگ باتیں بنانا بالکل بھول جائیں گے۔" یہ کہہ کر حامد والا ان کی طرف مڑا

اور سرد آواز میں بولا۔

"کرسیوں پر بیٹھ جاؤ، ورنہ گولیاں کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ — باس اگر یہ میرے تین تک گننے تک کرسیوں پر نہ بیٹھیں تو گولیاں ان کے سینے میں اتار دیں، ہم کسی اور ذریعے سے وہ گفتگو معلوم کر لیں گے — یوں بھی اب ہم انھیں زندہ تو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"ٹھیک ہے — میں یہی کروں گا، کیونکہ میں ان کی بک بک سے تنگ آ گیا ہوں۔"

"ارے تو پہلے بتایا ہوتا۔ ہم اسے فوراً بند کر دیتے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اب کیا پروگرام ہے محمود — یہ تو گنتی گننے لگے ہیں۔"

"چلو پھر بیٹھ جاتے ہیں کرسیوں پر۔" محمود نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"تم بھی یوں ہی چلے آئے اندھا دھند — کوئی کام ہی ڈھنگ کا کر آتے۔" فاروق نے اسے گھورا اور پھر ایک کرسی کی طرف بڑھنے لگا۔

کرسیاں کمرے کی دیوار کے قریب رکھی تھیں — باس کرسیوں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، گویا وہ ان لوگوں کے نشانے پر آسانی سے لے سکتا تھا — فرزانہ اور محمود نے بھی فاروق کا ساتھ دیا

اور ایک ساتھ کرسیوں کی طرف آئے، پھر تیزی سے ان کے پیچھے آتے ہوئے کرسیاں ایک دم باس پر اچھال دیں۔ اسے شاید یہ امید نہیں تھی۔ کرسیاں اس سے ٹکرائیں اور وہ لڑکھڑا گیا۔ لیکن ان کی یہ کوشش بے کار ہی گئی، کیونکہ کرسیاں زیادہ طاقت سے نہیں پھینکی جا سکی تھیں۔ پستول نقاب والے کے ہاتھ میں ہی رہ گیا، وہ تو اس وقت کوئی کام دکھا سکتے تھے جب پستول اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔

"یہ یوں نہیں مانیں گے۔ ان کی مرمت کرنا پڑے گی۔ ذرا ان کی ٹھکائی کرو اور جب یہ بے دم ہو جائیں تو پھر تم انہیں نہایت آسانی سے باندھ سکو گے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" حامد دانا نے کہا اور اسلم بھور کے ساتھ ان کی طرف بڑھا۔ وہ چوکنے انداز میں کھڑے ہو گئے۔ یہ انہیں ایک بہترین موقع ملا تھا۔ یہ انہوں نے جان لیا تھا کہ مکان میں ان تین آدمیوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا، لہٰذا اچھل کود کی صورت میں تو وہ کچھ نہ کچھ کر ہی سکتے تھے۔

"دیکھو بھائی، ہم ذرا نازک مزاج واقع ہوئے ہیں۔ اگر کہیں سے ٹوٹ پھوٹ گئے تو ہمارے ابا جان برداشت نہیں کر سکیں گے۔" فاروق نے کھوتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کرو، وہ بھی یہیں لائے جائیں گے۔"

"اچھا، پھر تو تمہارا پروگرام کافی لمبا ہے۔" فاروق بولا۔

اسی وقت حامد دانا اور اسلم بھور ان پر جھپٹے، لیکن بھلا وہ ان کے ہاتھ کہاں آتے، ایک ساتھ جھکائی دے کر دوسری طرف نکل گئے۔ باس نے بھی پستول کا رُخ ان کی طرف موڑ دیا۔

"انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔ عام بچے سمجھ کر ان کی طرف نہ بڑھو۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"ہاں، ہمیں خاص بچے سمجھ کر ہماری طرف آؤ۔ ان شاء اللہ پرجوش استقبال کیا جائے گا۔" فاروق ہنسا۔

"دھت تیرے کی، تم ایسے میں بھی سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔"

"کیوں ایسے میں سنجیدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

اچانک حامد دانا نے لوہے کا ایک ڈنڈا اٹھا لیا۔ یہ ڈنڈا اس سامان میں موجود تھا جو وہ زبان کھلوانے کے لیے لائے تھے۔ اس کی دیکھا دیکھی اسلم بھور نے ڈنبود ہاتھ میں لے لیا۔ یہ چیزیں چونکہ باس کے قدموں کے قریب پڑی تھیں۔ اس لیے ان کی پہنچ سے دور تھیں۔

"لو بھئی، اب بچ کر دکھاؤ۔" حامد دانا نے ڈنڈا ہاتھ میں تولتے ہوئے کہا۔

اس بار دونوں وحشیانہ انداز میں آگے بڑھے تھے۔ حامد دانا

نے ڈنڈا محمود کے سر پر رسید کرنے کی کوشش کی۔ اس نے انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کیا، لیکن اس کے آگے فاروق آ گیا، جو اسلم بھورے کے زنبور سے بچنے کے لیے ادھر مڑ گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈنڈا اس کے کندھے پر لگا۔ وہ چکرا گیا، کیوں کہ کندھے کی ہڈی پر ضرب لگی تھی۔ فاروق بھی خود کو زنبور سے پوری طرح نہ بچا سکا۔ کیونکہ محمود کی وجہ سے وہ بھی دور نہیں نکل سکا تھا۔ زنبور اس کی ٹھوڑی کے پچھلے حصے میں لگا۔ ٹھوڑی سے خون چھلک اٹھا اور اس کے ساتھ ہی ان کے بازو ان دونوں کے قبضے میں آ گئے۔ یہ دیکھ کر فرزانہ گھبرائی۔ اس نے ان کی طرف جھپٹنے کی کوشش کی ہی تھی کہ عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ حامد رانا اور اسلم بھورے کے ساتھ باس بھی زور سے چونکا۔

"یہ تو کالے خان ہے۔" باس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں باس، آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

"تم دونوں یہیں ٹھہرو، میں دیکھتا ہوں، کیا بات ہے۔" باس نے کہا اور صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ حامد رانا اور اسلم بھورا محمود اور فاروق کو بازوؤں سے پکڑ کر کرسیوں کی طرف لے چلے۔ شاید ان کے چوٹیں شدید آئی تھیں! ورنہ وہ اس طرح آسانی سے کرسیوں کی طرف ہرگز نہ جاتے۔ فرزانہ نے اس صورت حال کا پریشان

نظروں سے جائزہ لیا اور پھر اس سامان کی طرف بڑھنے لگی جو زبان کھلوانے کے سلسلے میں لایا گیا تھا۔



باس دروازے پر پہنچا اور کنڈی گرا کر دروازہ کھول دیا۔ باہر تاروں کی روشنی میں اسے کالے خان کھڑا دکھائی دیا۔ یہ ایک پتلا دبلا اور لمبا سا آدمی تھا۔

"کیا بات ہے کالے خان؟"

"ابھی ابھی کئی گاڑیاں سڑک سے ادھر مڑی ہیں۔" کالے خان نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہو، اس کا مطلب ہے، پولیس آ پہنچی۔" باس نے چونک کر کہا۔

"اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"تب پھر تم بھی اندر آ جاؤ۔ ہم دروازہ کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمیں تین منٹ کے اندر اندر روپوش ہو جانا چاہیے۔"

"لیکن باس، دونوں کاریں تو دروازے پر ہی کھڑی ہیں۔"

"پروا نہ کرو، آؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے کالے خان کو اندر کھینچ لیا اور دروازہ

برابر کر دیا — اس کے بعد تیزی سے اندر کی طرف بڑھا۔ جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے — دونوں بھیانک انداز میں چیخے۔ ان کے سروں پر وزنی چیزیں ماری گئی تھیں — ساتھ ہی وہ چکرا کر گرے اور بے ہوش ہو گئے — اندر حامد اور اسلم بھی بے ہوش پڑے تھے — فرزانہ کے ہاتھ میں خنجر نما ایک بڑا سا اوزار تھا۔ اس نے اسی اوزار سے حامد رانا اور اسلم بھور کے سروں کی خبر لی تھی اور اس کے بعد وہ تینوں لوہے کا ڈنڈا، شکنجہ اور زنبور ہاتھ میں لے کر دروازے کے ساتھ لگ گئے تھے، پھر جوں ہی باس اور کالے خان اندر داخل ہوئے، ان کے ہاتھ حرکت میں آ گئے —

اور اب صورتِ حال ان کے ہاتھ میں تھی۔

"بہت خوب فرزانہ، تم کام دکھا گئیں۔"

"کام تو پولیس کی گاڑیوں نے دکھایا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"آؤ دروازے پر پولیس کا استقبال کریں۔" فاروق نے کہا۔

"ہرگز نہیں — پہلے ہمیں ان چاروں کو باندھ لینا چاہیے — ایسا نہ ہو، ان میں سے کوئی ہوش میں آ جائے اور ہمارے لیے الجھن کا باعث بنے۔" فرزانہ بولی۔

"بات تو ٹھیک ہے، آؤ پھر۔"

تینوں انہیں باندھ ہی رہے تھے کہ مکان کے باہر کئی گاڑیاں

رُکنے کی آواز آئی — اور پھر بھاری قدموں کی آواز سنائی دی — انہوں نے گردنیں موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر ایک ساتھ ان کے منہ سے نکلا:

"ارے انکل اکرام، یہ آپ ہیں؟"

کچھ اور بھی

"ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔" دیوار سے لگے آدمی نے غرّا کر کہا۔

"بہت اچھا جناب، مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔" خان رحمان نے چونک کر کہا اور ہاتھ اوپر اٹھا دیئے، پھر بولے،

"یہ کیا ماجرا ہے بھابی؟"

"میں نے ڈاکٹر انصاری کو فون کیا تھا۔ ان کی جگہ یہ آگیا اور مجھے بتایا کہ ڈاکٹر انصاری نہیں آسکتے۔ ان کے پیر میں موچ آگئی ہے، لہٰذا انہوں نے اسے بھیجا ہے، وہ ان کا نیا اسسٹنٹ ہے۔ مجھے حیرت ہوئی۔ اس کی باتوں پر یقین نہ آیا اور جب یہ انجکشن لگانے کی تیاری کر رہا تھا تو میں نے انصاری صاحب کے نمبر ڈائل کر کے معلوم کیا تو پتا چلا، انصاری صاحب گھر سے روانہ ہو چکے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ غلط

آدمی ڈاکٹر کے روپ میں آگیا ہے، چنانچہ میں اس کے راستے میں آگئی۔ ابھی ہم ایک دوسرے پر قابو پانے کے بارے میں کوشش کر ہی رہے تھے کہ آپ نے گھنٹی بجا دی۔"

"ہوں، تو یہ بات ہے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں، اور اب تم بھی ان دونوں کی صف میں شامل ہو گئے ہو۔" نقلی ڈاکٹر غرّایا۔

"بھائی، میں تو ہمیشہ سے ان کی صف میں شامل ہوں۔ یہ تم نے کیا نئی بات کہی۔" خان رحمان مسکرائے۔

چلتے ہوئے اب وہ انسپکٹر جمشید کے نزدیک آگئے تھے۔ انسپکٹر جمشید اب تک بے سُدھ پڑے تھے۔

"حیرت ہے، انہیں ہوا کیا ہے؟"

"شاید کوئی خواب آور دوا دی گئی ہے۔"

"ہوں، ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"تم دونوں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔" نقلی ڈاکٹر نے گویا انہیں حکم دیا۔

"کیا تم بھول گئے کہ میرے ہاتھ میں ابھی تک چائے دانی ہے۔" بیگم جمشید نے اسے یاد دلایا۔

"مجھے یاد ہے، لیکن چائے تو اب تک ٹھنڈی ہو چکی ہو گی۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"تم کیا چاہتے ہو دوست؟"

"انسپکٹر جمشید کو زہر کا ٹیکہ لگاؤں گا۔"

"لیکن تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟" وہ بولے۔

"یہ شخص ہمارے راستے کا پتھر ہے۔"

"بہت خوب، تو پھر سنو۔ میں ان کا دوست ہوں۔ انہیں زہر کا انجکشن لگانے سے پہلے تمہیں مجھے راستے سے ہٹانا ہوگا۔"

"چلو ایسا ہی کر لیتے ہیں۔ جہاں ایک آدمی کو راستے سے ہٹانا ہے، وہاں دو یا تین کو سہی۔"

"لیکن تم زہر کی بجائے گولی کیوں استعمال نہیں کرتے۔" خان رحمان بولے۔

"آیا تو میں اسی لیے تھا کہ خاموشی سے زہر کا ٹیکہ لگا کر چلتا بنوں گا، لیکن یہ بیگم صاحبہ بہت چالاک ہیں۔ انہوں نے بھانپ لیا کہ میں نقلی ڈاکٹر ہوں۔ کاش میں اپنے پستول پر سائیلنسر چڑھا کر آیا ہوتا۔" اس نے کہا۔

"اوہ، تو تم گولی کی آواز سے خوف زدہ ہو۔ کہیں اس طرح تم پکڑے نہ جاؤ۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں۔ لیکن خیر اب کچھ بھی ہو۔ میں اپنا کام ضرور کروں گا۔ چلو دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

"افسوس، میں ایسا نہیں کر سکتا۔" خان رحمان بولے۔

"اور میں بھی نہیں۔" بیگم جمشید سینہ تان کر بولیں۔

یہ کہتے ہوئے دونوں اس کے اور انسپکٹر جمشید کے درمیان آ گئے۔ نقلی ڈاکٹر پریشان ہو گیا کہ کرے تو کیا کرے۔ گولی چلا کر وہ خود پھنستا تھا، اسے کیا معلوم تھا کہ وہ جس گھر میں جا رہا ہے، وہاں موت سے ڈرنے والے نہیں رہتے۔ اس نے پریشان کن انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے وہ بھونچکا رہ گیا۔ خان رحمان نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پستول اس کے ہاتھ سے چھین لیا تھا۔

"اب تم خود ہاتھ اٹھا دو بزدل۔ بہادروں سے لڑنا بہت مشکل کام ہے۔"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی اور بیگم جمشید کا چہرہ کھل اٹھا۔ انداز محمود کا تھا۔ وہ دروازہ کھولنے کے لیے لپکیں اور پھر چاروں مجرموں، اکرام اور سب کے ساتھ اندر آئیں۔ نقلی ڈاکٹر کو بھی باندھ دیا گیا۔ پھر انسپکٹر جمشید کو بستر پر لٹا دیا گیا۔ ایک اور ڈاکٹر کو فون کیا گیا۔ اکرام نے اپنے کچھ ماتحتوں کو ڈاکٹر انصاری کی تلاش میں روانہ کیا۔

جلد ہی ڈاکٹر آ گیا۔ اس نے ان کا جائزہ لیا۔ ایک انجکشن لگایا اور اس کے پندرہ منٹ بعد انسپکٹر جمشید نے آنکھیں کھول دیں۔ اسی وقت اکرام کے آدمی آ گئے۔ ڈاکٹر انصاری انہیں

گھر سے تھوڑے فاصلے پر اپنی کار میں بے ہوش مل گئے تھے — وہ انہیں ہسپتال میں چھوڑ کر واپس آ گئے تھے۔

انسپکٹر جمشید نے ہوش میں آنے کے بعد بوکھلائے ہوئے انداز میں سب کو دیکھا اور پھر بولے:

"کیا معاملہ ہے بھئی، ارے محمود، فاروق، فرزانہ — تم آ گئے؟"

"جی ہاں۔"

پھر انہیں پورا ماجرا سنایا گیا — ان کی نظریں ہاس پر جم گئیں — آخر وہ بولے:

"ابھی اس کا نقاب نہ الٹا جائے — پہلے میں سعید گیلانی صاحب کو فون کروں گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے فون پر ان کے نمبر ڈائل کیے — تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد سلسلہ مل گیا — انہوں نے مختصر لفظوں میں روداد انہیں سنائی اور ان سے اپنے گھر آنے کی درخواست کی — معاملہ بے حد اہم تھا، اس لیے انہوں نے کہا کہ وہ اسی وقت روانہ ہو رہے ہیں، حالانکہ وہ ابھی ابھی مہمان وزیر دفاع کو رخصت کر کے آ رہے تھے۔

انہیں وہاں پہنچنے میں صرف دس منٹ لگے — اس دوران سب لوگ انسپکٹر جمشید کے ڈرائنگ روم میں ہی موجود رہے — کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی تھی — پانچوں مجرم بھی

بدستور بندھے پڑے رہے — سعید گیلانی صاحب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو سب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے — اب انہیں سارے حالات تفصیل سے سنائے گئے — انسپکٹر جمشید کے خاموش ہونے پر ان کے منہ سے نکلا:

"اف خدا، یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان لوگوں نے جال پھیلا رکھا ہو۔"

"جی ہاں، جال بھی کوئی ایسا ویسا نہیں، مہمان وزیر دفاع کے ہمارے ملک میں داخل ہونے سے پہلے ہی انہوں نے یہ جال تیار کر لیا تھا — ان کی اچانک آمد ہمارے دشمن ملک کو ضرور کھٹکی ہو گی، لہٰذا انہوں نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے یہ معلوم کرنے کا پروگرام بنایا کہ مہمان وزیر دفاع یہاں کس لیے آئے ہیں، کہیں وہ کوئی خفیہ معاہدہ کرنے تو نہیں آئے یا کوئی اور بات تو نہیں، چنانچہ ان کے ایجنٹ سائے کی طرح ان کے ساتھ لگے رہے — جب ایجنسیوں میں ایسے ایسے خاص لوگ موجود ہوں، جیسے کہ یہ حضرات، تو پھر ہر کام ان کی مرضی کے مطابق کیوں نہ ہو؛ چنانچہ انہیں ان کے ہر پروگرام کا پتا پہلے ہی چلتا رہا — یہ ہر مقام پر ڈکٹا فون نصب کرتے رہے، لیکن مہمان وزیر دفاع بھی بہت ہوشیار ہیں — انہوں نے کسی بھی مقام پر اصل معاملے کی ہوا نہ لگنے دی — اگر انہوں نے صاحب،

صدر اور آپ سے کوئی بات کی بھی تو ایسے کھلے مقام پر، جہاں کسی ڈکٹا فون کا امکان نہیں تھا۔ آخر انھوں نے آپ سے اپنے گھر ایک تقریب منعقد کرنے کی فرمائش کی اور یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اس تقریب میں ہمیں بھی بلایا جائے۔ اس موقعے پر انہیں اصل بات بھی بتانا پڑی — صدر صاحب اور آپ فوراً تیار ہو گئے۔ اس طرح گیلانی ہاؤس میں تقریب کا انتظام کیا گیا، لیکن یہاں بھی ڈکٹا فون نصب کر دیے گئے — میں جب لائبریری دیکھنے کے بہانے ان کے ساتھ لائبریری میں داخل ہوا تو اس سے پہلے ہی میں نے یہ خطرہ ظاہر کر دیا تھا کہ ہماری گفت گو سننے کی کوشش کی جا سکتی ہے، چنانچہ ہم نے لائبریری کی تلاشی لی، وہاں ڈکٹا فون موجود تھا، اس لیے ہم نے وہاں کوئی گفت گو نہ کی اور صحن میں آ گئے — جال بچھانے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہم لائبریری میں بات چیت نہیں کریں گے، لہٰذا وہ ہماری گفت گو نہ سن سکے۔ اب انہیں اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کرنا پڑی — کیونکہ مہمان تو رخصت ہونے والے تھے — اس کے بعد وہ گفتگو کس طرح معلوم کر سکتے تھے — ان لوگوں کو معلوم تھا کہ مہمان جب لائبریری سے فارغ ہو کر باغ میں آئیں گے تو سب لوگوں کو پھر شربت وغیرہ پیش کیا جائے گا، چنانچہ انھوں نے میرے، محمود، فاروق اور فرزانہ کے گلاسوں میں خواب آور دوا شامل کر دی۔

اور پھر تعاقب شروع کر دیا — ہم ہوائی اڈے سے واپس ہوئے تو ایک نیلی کار ہمارے تعاقب میں تھی۔"

اس کے بعد جو کچھ ہوا، انسپکٹر جمشید نے وہ بھی سنا دیا — آخر خاموش ہوتے ہوتے بولے:

"اب بتائیے، آپ کیا کہتے ہیں؟"

"ان لوگوں کی گرفتاری کے علاوہ میں اور کیا چاہوں گا۔"

ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی خفیہ پولیس نے پانچوں مجرموں کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

"کیا آپ جانتے ہیں، یہ نقاب والا کون ہے؟" سعید گیلانی بولے۔

"نہیں، آپ کے آنے سے پہلے ہم نے اس کا چہرہ دیکھنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"تو پھر آپ اس کا چہرہ دیکھ لیجیے۔" یہ کہہ کر انھوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس کا نقاب الٹ دیں — انھوں نے تعمیل کی — نقاب الٹ گیا اور پھر وزیر دفاع کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی — آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں، ان سب کے سامنے سعید گیلانی کا پرائیویٹ سیکرٹری ناصر جامی پڑا تھا۔



"اف میرے اللہ، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" سعید گیلانی کے منہ سے تھر تھر کانپتی آواز میں نکلا۔

باقی سب لوگ بھی بھونچکا سے رہ گئے۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ لیکن یقین کرنے کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ خود، محمود، فاروق اور فرزانہ بھی حیران تھے۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ انہیں نقاب والے کی آواز جانی پہچانی کیوں لگ رہی تھی۔ اسی روز تو استقبال کرتے وقت انہوں نے اس کی آواز سنی تھی۔

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"پروگرام کیا ہوگا۔ یہ سب لوگ جیل جائیں گے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔ انہیں جیل بھجوانے کا انتظام کیجیے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اکرام کو اشارہ کیا کہ وہ پانچوں کو دوسرے کمرے میں بند کر دے، جب تک کہ قانون کے محافظ انہیں لینے کے لیے نہیں آ جاتے۔

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر جمشید کاغذ پر کچھ لکھنے لگے، پھر انہوں نے وہ کاغذ تہہ کر کے گیلانی صاحب کو دے دیا۔ وہ کاغذ لے کر ایک طرف چلے گئے اور اسے پڑھنے لگے، پھر دیر سے

سے مسکرائے، سر ہلایا اور باہر نکل گئے۔

"ابا جان، آپ نے کیا لکھ کر دیا ہے کاغذ پر۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔" وہ مسکرائے۔

"لیکن ابا جان، یہ لکھ کر دینے کی ایسی کیا ضرورت تھی۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا لکھ کر دینے کی؟" انہوں نے فاروق کو گھورا۔

"یہی، فکر نہ کرو۔" وہ مسکرایا۔

"تم غلط سمجھے، میں نے انہیں کچھ اور لکھ کر دیا ہے۔"

"اور، یہ کچھ اور کیا ہے؟"

"یہ ابھی تمہیں نہیں بتایا جا سکتا۔" انہوں نے کہا۔

پھر جوں ہی پولیس کے سپاہی مجرموں کے لیے جیل کی گاڑی لے کر پہنچے اور وہ باہر نکلے۔ انسپکٹر جمشید بھی ان تینوں کو ساتھ لے کر گھر سے نکلے۔ ایک کار میں بیٹھ کر ایک سمت میں روانہ ہو گئے۔

"ابا جان، ہم کہاں جا رہے ہیں۔" فرزانہ نے بے تاب ہو کر کہا۔

"خاموش رہو، ذہن پر زور دو کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا آپ اسی وقت اپنے ملک سے روانہ ہونا چاہتے ہیں؟" فاروق نے پوچھا۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ بولے۔

"کیا آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اب بھی کوئی آپ کا تعاقب کر رہا ہے یا نہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں، یہ بات بھی ہے، لیکن میں کچھ اور بھی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"یا خدا رحم، آخر یہ کچھ اور کیا ہے۔" فاروق بولا۔

"میں نے کہا نا، ذہن پر زور دو۔"

"ابا جان ایک بات سمجھ میں نہیں آئی — اس مکان میں ہمیں تو فوراً ہی ہوش آ گیا، لیکن آپ کو انجکشن لگایا گیا تب کہیں جا کر ہوش آیا اور محمود بے ہوش ہوا ہی نہیں۔" فرزانہ نے نئی بات کہی۔

"اچھا سوال ہے اور میں حیران بھی تھا کہ تم میں سے کسی نے اب تک یہ سوال کیوں نہیں پوچھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں نے تو اس لیے نہیں پوچھا کہ بعد میں جو شربت دیا گیا، میں نے پیا ہی نہیں تھا، لہٰذا میں خود بخود یہ بات سمجھ گیا تھا کہ میں بے ہوش کیوں نہیں ہوا۔"

"لیکن میں اور فرزانہ تھوڑی دیر کیوں بے ہوش رہے اور ابا جان زیادہ دیر کیوں؟" فاروق نے اعتراض کیا۔

"اس لیے کہ تمہیں فوراً ہی انجکشن لگا دیے گئے جب کہ

مجھے طبی امداد بہت دیر بعد ملی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔

"مطلب یہ کہ اس مکان میں لے جا کر تم دونوں کو انجکشن لگائے گئے ہوں گے۔"

"اوہ، ضرور یہی بات ہے — میں بازو پر جلن سی محسوس کر رہا ہوں۔"

"ہوں، آپ کا خیال ٹھیک ہے — ارے، یہ آپ کدھر نکل آئے۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

آخری کام

جس وقت انسپکٹر جمشید مکان میں داخل ہوئے، اس کے ایک گھنٹے بعد ایک کار مکان کے سامنے آ کر رکی۔ اس میں سے پانچ آدمی اتر کر مکان کی طرف بڑھے۔ دروازے کو دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئے۔ دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے انہوں نے بلب جلا لیا۔ یہ ناصر جامی، حامد رانا، اسلم بھور، کالے خان اور نقلی ڈاکٹر تھے۔

"قسمت ہی اچھی تھی، جو ہم فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر کہیں ہمیں ہتھکڑیاں لگا کر لے جایا جاتا تو ہم فرار ہونے کی کوشش نہیں کر سکتے تھے۔" کالے خان کہہ رہا تھا۔

"لیکن باس، میرے خیال میں ہمیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" اسلم بھور نے کہا۔

"فکر نہ کرو، اول تو کسی کو خیال تک نہیں آئے گا کہ ہم فرار ہونے کے بعد ادھر کا ہی رخ کریں گے اور اگر کوئی یہ خیال

کرکے ادھر آ بھی نکلا تو بھی اسے ہم یہاں کہیں نظر نہیں آئیں گے۔" ناصر جامی نے کہا۔

"لیکن اب ہمارا بنے گا کیا؟" حامد رانا نے پریشان ہو کر کہا۔

"بننا کیا ہے، جس ملک کے لیے اتنے عرصے سے کام کر رہے ہیں۔ اب اسی کا رخ کریں گے۔ وہاں جا کر ہماری خدمات کا صلہ ہمیں ملے گا۔"

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" نقلی ڈاکٹر بولا۔

"بھئی سہراب، اب ڈرنے کی کیا بات رہ گئی ہے۔" ناصر جامی ہنس کر بولا۔

"باس، اگر کوئی ہماری تلاش میں ادھر آ گیا تو کار باہر کھڑی دیکھ کر آسانی سے اس مکان سے نہیں ٹلے گا اور پھر وہ جاسوس خاندان یہاں آ دھمکے گا۔" کالے خان نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ہاں، یہ بات ٹھیک ہے۔ خیر، تم جا کر کار درختوں کے جھنڈ میں چھپا آؤ۔" ناصر جامی بولا۔

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور واپس مڑ گیا۔

وہ چاروں اس کمرے میں آ گئے جس میں انہیں محمود، فاروق اور فرزانہ کے ہاتھوں شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

"اب آپ کا پروگرام کیا ہے؟"

"پہلے تو اپنی کارگزاری کی رپورٹ دیں گے اور پھر انہیں یہ بتائیں گے کہ اب ہم اس ملک میں نہیں ٹھہر سکتے، لہٰذا کسی نہ کسی طرح ان کے پاس پہنچ رہے ہیں۔"

"باس! کیا آپ کو یقین ہے، وہ ہمیں قبول کر لیں گے؟" اسلم جھور نے فکرمند ہو کر کہا۔

"بھئی ہم دس سال سے ان کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہے ہیں، کیا وہ ہمارے لیے اتنا بھی نہیں کریں گے؟"

تھوڑی دیر بعد کالے خان کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"کیوں کالے خان، ہو گیا کام؟"

"جی ہاں، اب کار کسی کو آسانی سے نظر نہیں آ سکے گی۔ میں بیرونی دروازہ بھی کھلا چھوڑ آیا ہوں۔ اندر سے بند کرنے کی صورت میں ادھر آنے والے شک میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اب جب وہ باہر نہ کوئی کار دیکھیں گے اور نہ دروازہ بند پائیں گے تو اندر داخل ہوئے بغیر ہی یہ سمجھ لیں گے کہ ہم لوگ ادھر نہیں آئے۔ اس کے بعد انھوں نے اندر دیکھا بھی تو سرسری نظر سے۔"

"بھئی واہ، کالے خان۔ تم تو دن بدن عقل مند ہوتے

جا رہے ہو۔"

"شکریہ باس۔"

"اب آؤ، پہلے پیغام دینے کا کام کر لیں، پھر چند دن تک ہم تہہ خانے میں ہی رہیں گے۔" یہ کہہ کر ناصر جامی نے فرش پر بچھا قالین الٹ دیا۔ فرش کے بیچوں بیچ فرش کے رنگ کا ہی ایک چوکور دروازہ نظر آیا۔ جو بغور دیکھنے پر ہی نظر آ سکتا تھا۔ دروازے کے کنارے پر فرش میں ایک ننھا سا گڑھا بھی تھا۔ اس گڑھے میں ایک زنجیر تھی۔ اس نے زنجیر کا ایک سرا پکڑ کر اٹھایا۔ دوسرا سرا دروازے میں بندھا تھا۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ نہایت آسانی سے آواز پیدا کیے بغیر کھل گیا۔ شاید اس میں کمانیاں یا سپرنگ لگائے گئے تھے۔

"چلو نیچے۔" ناصر جامی بولا۔

اس کے ساتھی ایک ایک کر کے نیچے اترنے لگے۔ سب سے آخر میں ناصر جامی اُترا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔ قالین وہ پہلے لپیٹ کر دوسرے کمرے میں رکھ آئے تھے اور دروازے کے اوپر میز سرکا دی تھی۔ جلد ہی تہہ خانے میں بلب جل اٹھا۔ یہ ایک پختہ کمرہ تھا۔ اس میں میز کرسیاں، چار چارپائیاں اور کھانے پینے کے برتن تک موجود تھے۔

ایک الماری کا دروازہ کھولتے ہوئے ناصر جامی نے وائرلیس کی قسم کا ایک سیٹ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اور پھر اس کا سوئچ آن کرنے ہی والا تھا کہ ایک آواز تہہ خانے میں گونجی۔

"خبردار، اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

انھوں نے بوکھلا کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ وہاں انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کھڑے تھے اور ان کے ہاتھوں میں پستول بھی تھے۔

"مسٹر ناصر جامی، اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ تم اپنی کوشش سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے ہو۔ یہ سب کچھ میرے اشارے پر ہوا ہے۔ میرے ہی اشارے پر تمہیں ہتھکڑیاں لگا کر نہیں لے جایا گیا اور پھر فرار ہونے کا ایسا موقع دیا گیا کہ تم اسے اپنی کوشش کا نتیجہ سمجھو۔ ہم یہاں تم سے پہلے ہی آ گئے تھے۔ اب یہ مکان پوری طرح گھیرے میں ہے اور تمہارے بچ نکلنے کے کوئی امکانات نہیں۔ ویسے میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ دشمن ملک میں تمہارے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہ کیا جاتا، وہ لوگ

اپنے ناکارہ جاسوسوں کو گولی کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔ ظاہر ہے، انہیں کیا پڑی کہ دشمن ملک کے ایسے لوگوں کو اپنے پاس رکھیں، جو اپنے ملک سے غداری کرتے رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ جو اپنے ملک سے غداری کر سکتا ہے، وہ ان سے غداری کیوں نہیں کرے گا، لہذا تم وہاں نہیں جا سکو گے تو اس میں بھی تمہاری ہی بہتری ہے۔ اب رہا اپنے ملک کا معاملہ، تو جو نقصان دس سال تک تم نے پہنچایا ہے، اس کی سزا تو بہرحال تمہیں ملے گی، لیکن آج تک تم اس ملک کو نقصان پہنچاتے رہے ہو۔ آج ایک فائدہ بھی پہنچا دو۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"فائدہ! کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔" ناصر جامی نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"بات بہت معمولی ہے۔ اب تمہیں اس ملک سے کچھ ملنے سے تو رہا، جیل کی ہوا ہی تمہیں کھانا پڑے گی۔ برے کاموں کا نتیجہ اچھا نکل بھی کیسے سکتا ہے، لیکن کچھ لوگ برے ہوتے ہوئے بھی ایک اچھا کام کر جاتے ہیں اور لوگ ان کے اچھے کام کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ بولو، کیا تم ایک اچھا کام کرنے کے لیے تیار ہو۔" ایک بار پھر

انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" ناصر جامی نے بے چین ہو کر کہا۔

"صرف اتنا کہ تم اس سیٹ پر یہ پیغام دو کہ تم نے ڈکٹا فون پر مہمان وزیر دفاع عالی شاہ اور دوسروں کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو سن لی ہے۔ اس تمام گفتگو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عالی شاہ یہاں دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی اشیا کے دائرے کو وسیع کرنے کے لیے آئے تھے اور بس — اس سے زیادہ ان کے درمیان کسی موضوع پر کوئی بات چیت قطعاً نہیں ہوئی اور یہ کہ ڈکٹا فون کے سلسلے میں ہم پر شک کیا جا رہا ہے — اس لیے کچھ عرصے تک ہم آپ لوگوں کو پیغام نہیں دے سکیں گے۔"

"لیکن اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔" ناصر جامی نے الجھ کر کہا۔

"تم اس بات کو چھوڑو — یہ الفاظ دہرانے کے لیے تیار ہو یا نہیں؟"

"ہم، میں کچھ دیر کے لیے سوچنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، انہیں دس منٹ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس خیال کو دل سے نکال دو کہ تم لوگ یہاں سے فرار ہو

سکتے ہو۔ اس وقت مکان میرے خاص آدمیوں کے گھیرے میں ہے، کہو تو ثبوت بھی پیش کر دوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے منہ سے تیز سیٹی کی آواز نکالی۔ فوراً ہی تہہ خانے کے اوپر بھاری قدموں کی آواز گونجی اور جواب میں بھی سیٹی گونجی۔ انسپکٹر جمشید آتے ہوئے تہہ خانے کے دروازے کے درمیان لکڑی کا ایک ٹکڑا پھنسا آتے تھے تاکہ آواز آ جا سکے۔

ناصر جامی اور اس کے ساتھیوں کے چہرے سفید پڑ گئے۔ شاید انہیں اب تک فرار ہونے کی کوئی امید تھی، لیکن جوابی سیٹی کی آواز سن کر ان کی رہی سہی امید بھی ختم ہو گئی۔ آخر ناصر جامی نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے — میں اس ملک کے لیے آخری کام اچھا بھی کروں گا۔"

"شکریہ، میں وہ الفاظ لکھ کر لے آیا ہوں، جو تمہیں سیٹ پر کہنے ہیں — انہیں پڑھ لو — بالکل یہی الفاظ دہرانے ہیں، لیکن یہ ہرگز معلوم نہ ہو کہ تم الفاظ پڑھ کر ادا کر رہے ہو — کیونکہ اس سے بہر حال تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کاغذ ان کے ہاتھ سے لے لیا — الفاظ پڑھے اور پھر بولا:

"ٹھیک ہے، تمام الفاظ صاف ہیں، میں انہیں بخوبی ادا کر سکوں گا۔"

"تو پھر شروع ہو جاؤ۔ کوئی لفظ تم نے غلط کہا نہیں اور گولی تمہارے سر میں داخل ہوئی نہیں۔ اور اگر بعد میں یہ ثابت ہوا کہ تم نے کوئی چالاکی کی تھی تو جیل سے نکلوا کر تمہارا حشر بہت برا کیا جائے گا۔" انہوں نے سرد آواز میں کہا۔ نہ جانے ان کے لہجے میں کیا تھا کہ ناصر جامی کانپ کر رہ گیا۔ آخر اس نے سوئچ آن کیا اور سلسلہ ملانے لگا۔ انسپکٹر جمشید کی نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ دوسروں کو اپنے پستولوں کی زد میں لیے کھڑے تھے۔ تقریباً دس منٹ کی کوشش کے بعد سلسلہ مل سکا اور پھر ناصر جامی نے کہنا شروع کیا:

"ہیلو، میں نمبر ون بول رہا ہوں۔ نو سو گلاب کے پودوں کا سودا ہو چکا ہے۔"

"ٹھیک ہے، ہم سن رہے ہیں، کیا رپورٹ ہے۔ حالی شاہ دراصل کیوں آیا تھا۔" دوسری طرف سے مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی باریک آواز آلے سے ابھری۔

"جی ہاں، وہی بیان کرنے لگا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے الفاظ پڑھنے شروع کیے، لیکن اس کے انداز سے یہ پتا نہیں

چل رہا تھا کہ وہ پڑھ کر سنا رہا ہے۔ آخر میں اس نے کہا:

"ہم ڈکٹافون کے سلسلے میں شک کی نظر سے دیکھے جا رہے ہیں، لہٰذا کچھ عرصے تک سلسلہ قائم نہیں کر سکیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ جب بھی تم شک سے بری سمجھے جاؤ، رپورٹ شروع کر دینا۔ اس دوران تمہاری تنخواہ تمہیں بذریعہ ڈرافٹ تمہارے عزیز کی طرف سے ملتی رہے گی۔"

"شکریہ" اس نے کہا، دوسری طرف سے آواز بند ہو گئی تو جامی نے بھی سوئچ آف کر دیا اور ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"کیا آپ مطمئن ہیں؟"

"ہاں، میرا خیال ہے، تم نے کوئی چالاکی نہیں کی۔"

"ٹھیک ہے، میں نے واقعی کوئی چالاکی نہیں کی، لیکن اگر میں چاہتا تو بہت آسانی سے انہیں یہ خبر کر سکتا تھا کہ یہ الفاظ مجھ سے زبردستی کہلوائے جا رہے ہیں۔ بس نو سو گلاب کے پودوں والا جملہ ادا کیے بغیر یہ الفاظ دہرانے شروع کر دیتا اور وہ سمجھ جاتے کہ ان سے دھوکا ہو رہا ہے، لیکن آپ نہیں جانتے کہ میں نے انہیں خبردار کیوں نہیں کیا۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"تو بتاؤ نا کیوں نہیں کیا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس لیے کہ میرا ضمیر جاگ گیا ہے — میں آج تک اپنے ملک سے غداری کرتا چلا آ رہا ہوں، آج اپنے ملک کے کام آ گیا ہوں، حکومت مجھے کچھ بھی سزا دے، میرا دل اب مطمئن ہے — ویسے اگر حکومت نرم سزا تجویز کرنے کا وعدہ کرے تو میں اور میرے ساتھی زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔" ناصر جامی نے پُرا... لہجے میں کہا۔

"وہ کیسے؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"اس طرح کہ ہم بدستور دشمن ملک کے ایجنٹ بنے رہیں لیکن حکومت کی مرضی کے مطابق بالکل غلط رپورٹیں انہیں دیتے رہیں — اس طرح وہ ان اطلاعات سے فائدہ اٹھانے کی بجائے نقصان اٹھائیں گے۔"

"بات تو ٹھیک ہے، خیر میں تمہاری تجویز افسران کے سامنے رکھوں گا — وہ مانتے ہیں یا نہیں، یہ ان کی مرضی۔ ہاں اس تعاون کے لیے میں یہ سفارش ضرور کروں گا کہ تمہیں نرم سزا دی جائے۔"

"شکریہ۔" ناصر جامی نے کہا اور ہتھکڑیوں کے لیے ہاتھ آگے کر دیے۔

انسپکٹر جمشید نے منہ سے دوسری سیٹی کی آواز نکالی — پہلے کی نسبت ذرا مختلف انداز کی تھی۔

فوراً ہی اکرام اور اس کے ماتحت تہہ خانے میں اُتر آئے اور ناصر جامی اور اس کے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ اس طرح یہ چھوٹا سا قافلہ واپس روانہ ہوا۔

دوسرے دن محمود، فاروق اور فرزانہ پروفیسر داؤد کے گھر پہنچ گئے — پروفیسر انہیں دیکھ کر بچوں کی طرح کھل اُٹھے۔ شائستہ فرزانہ سے لپٹ گئی۔

"جائیے انکل، ہم آپ سے نہیں بولتے۔" فرزانہ نے منہ پھلا کر کہا۔

"ارے بھئی، وہ کیوں، اور پھر میں جاؤں کہاں؟" پروفیسر ہنسے — محمود، فاروق اور شائستہ بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔

"ہمیں شیطان کی بستی سے لوٹے اتنے دن ہو گئے اور آپ نے اب تک ہمارے کھلونے بنا کر نہیں دیے۔"

"کون کہتا ہے؟" پروفیسر بولے۔

"ہم کہتے ہیں، اگر بنائے ہوتے تو ہمیں ملے نہ ہوتے؟" محمود نے کہا۔

"تم کھلونے لینے کے لیے آئے کب؟ فون کب کیا؟" پروفیسر داؤد نے بھی آنکھیں نکالیں۔

"ہائیں، تو کیا کھلونے تیار ہیں؟" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"بالکل تیار ہیں۔ تم شائستہ سے باتیں کرو۔ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔ انہیں آزما کر بھی دیکھنا ہے۔" یہ کہہ کر پروفیسر داؤد تجربہ گاہ کی طرف چلے گئے۔

"لیکن یہ تمہیں کھلونوں کا خیال کیسے آ گیا؟"

"کچھ سوچ سمجھ کر ہی آیا ہے۔" فاروق بولا۔

"کیا مطلب؟" شائستہ چونکی۔

"تم تو جانتی ہو شائستہ، فاروق کی باتوں کا سرے سے کوئی مطلب نہیں ہوتا۔" فرزانہ شوخ انداز میں مسکرائی۔

"اور کیا، مطلب کی بات تو صرف فرزانہ کر سکتی ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔ دوسرے لفظوں میں وہ اسے مطلبی کہہ گیا تھا۔ فرزانہ نے بھنا کر اس کی طرف دیکھا۔

"مطلبی ہو گے تم خود۔"

"اب یہاں لڑ نہ پڑنا، پروفیسر انکل کیا خیال کریں گے" محمود بولا۔

"یہی خیال کریں گے کہ ان کے گھر میں باکسنگ کا مقابلہ رہا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

شائستہ ان کی باتوں پر بے اختیار ہنسے جا رہی تھی۔ اس وقت پروفیسر آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک پین، ایک انگو[ٹھی] اور ایک لاکٹ تھا۔ پین فاروق کو دیتے ہوئے وہ بولے

"اسے اپنی جیب میں لگا لو۔ یہ بال پوائنٹ پین ہے۔ جب تم اسے اوپر سے دباؤ گے، تو یہ عام بال پوائنٹ قلم کی طرح لکھے گا، لیکن اگر اوپر سے دبانے کے بعد نچلی طرف لگا ہوا نیلا نقطہ دبا دو گے تو اس میں سے آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی نکلے گی اور سامنے موجود لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ چند منٹ تک کے لیے وہ کچھ دیکھنے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

"بھئی واہ انکل، مزا آ گیا۔" یہ کہہ کر فاروق نے پین کو اوپر سے دبایا اور پھر نیلا نقطہ دباتے ہوئے اس کا رخ فرزانہ کی طرف کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتی چلی گئی۔ پین میں سے ایک بہت ہی تیز روشنی نکلی تھی، لیکن چونکہ اس کی سیدھ میں صرف فرزانہ تھی، لہٰذا صرف اس کی آنکھیں خیرہ ہوئی تھیں۔

"ارے یہ کیا کیا؟" پروفیسر داؤد بوکھلا کر بولے۔

"تجربہ انکل، تجربہ۔" فاروق بولا۔

"تو فرزانہ ہی رہ گئی تھی تجربے کے لیے۔" انہوں نے جھلا کر کہا۔

"اب میں یہاں اور کس پر تجربہ کرتا۔" وہ مسکرایا۔

"کوئی بات نہیں، میں تم سے سمجھ لوں گی۔" فرزانہ نے تلملاتے

ہوئے انداز میں کہا۔

"ضرور سمجھ لینا۔ میں جانتا ہوں۔ ایجرے کے علاوہ تمہیں اور کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

"وہت تیرے کی۔" محمود نے جھنجھلا کر ران پر ہاتھ مارا، پھر بولا: "تم نے انکل کو کھلونے دینے کی مہلت بھی نہیں دی۔"

"یہ بھی ایک ہی رہی۔ میں نے انکل کو کب روکا ہے۔ فرزانہ کا کھلونا وہ مجھے دے سکتے ہیں۔ جب اس کی حالت معمول پر آ جائے گی تو میں اسے دے دوں گا۔ اپنا کھلونا تم لے ہی سکتے ہو۔"

"یہ لو محمود، تمہارے لیے یہ انگوٹھی ہے۔ اس میں ایک نوکیلا سا ابھار موجود ہے۔ اس نوک دار ابھار سے اگر تم کسی کی جلد پر ذرا سی بھی خراش ڈال دو گے تو اس کا جسم بالکل سن ہو جائے گا اور وہ بے ہوش ہو جائے گا۔"

"وری گڈ، یہ تو بہت ہی شاندار چیز ہے۔"

"ہاں، لیکن ایسا نہ ہو کہ وقت بے وقت یہ نوکیلا سرا تم دوسروں کو چبھو دو۔" فاروق بولا۔

"نہیں، جب تک انگوٹھی کو انگلی میں پھرایا نہیں جائے گا، اس وقت تک سرا نہیں ابھرے گا، لہذا ضرورت کے وقت تم اسے پھرا کر سرا ابھار سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا۔" محمود نے انگوٹھی انگلی میں پہنتے ہوئے کہا۔

فرزانہ ابھی تک جوں کی توں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھتے رہے، آخر تین منٹ بعد وہ آنکھیں کھولنے میں کامیاب ہو سکی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

"اوہو فرزانہ، تمہاری آنکھوں سے تو خون ٹپک رہا ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں، اور یہ خون تمہارے لیے ہے۔" اس نے کھا جانے والے لہجے میں کہا۔

"لیکن مجھے خون کی ضرورت کہاں ہے۔ میرے جسم میں تو پہلے ہی کافی خون موجود ہے۔" وہ مسکرایا۔

"فکر نہ کرو، بہت جلد کم ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ پروفیسر کی طرف مڑی۔

"لائیے انکل، میرے لیے یہ لاکٹ ہے؟"

"ہاں فرزانہ، اسے گلے میں ڈال لو۔ یہ بہت خوب صورت لگے گا، لیکن جب اسے ہاتھ میں پکڑ کر اس کے پچھلے حصے میں لگی ہوئی دبا دو گی تو پھر اس کا رخ جس کی طرف بھی ہو گا، اس کے پیروں تلے ایک زوردار دھماکا ہو گا اور وہ اچھل کر گر جائے گا۔ تم لوگوں کے لیے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے اتنا وقت

ہی کافی ہو گا۔"

"بہت خوب انکل۔" فرزانہ نے خوش ہو کر لاکٹ لے لیا اور گلے میں ڈال لیا۔ اسی وقت محمود نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"لیکن انکل، ہم نے تو آپ سے چھ کھلونوں کی فرمائش کی تھی۔"

"تم اپنے انکل کو جلاد کیوں خیال کرتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ مسکرائے اور جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک پین، ایک انگوٹھی اور ایک لاکٹ اور نکال لیے۔ تینوں محمود کی طرف بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"یہ آفتاب، آصف اور فرحت کے لیے ہیں۔ انہیں بھیج دیں۔"

"بہت بہت شکریہ انکل، آپ جیسا انکل دنیا میں ملنا مشکل ہے۔" فاروق بولا۔

"بس رہنے دو، خان رحمان سے بھی تم یہی کہتے رہتے ہو۔"

"اوہ ہاں، واقعی انکل۔ خیر، تو میں کہوں گا کہ آپ دونوں جیسے انکل دنیا میں ملنا مشکل ہیں۔" اور پروفیسر داؤد ہنس پڑے۔ ان کے ساتھ کافی وقت گزار کر آخر وہ واپسی کے لیے اٹھے۔ دونوں انہیں دروازے تک رخصت کرنے آئے۔ اچانک فاروق کے پیروں تلے ایک زوردار دھماکا ہوا اور وہ چیخ مار کر اچھل پڑا۔

اور پھر فرش پر گرا۔ چند سیکنڈ تک بے سدھ پڑا رہا۔ آخر آہستہ آہستہ اٹھا۔ سب لوگ ساکت کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے، یہ فرزانہ نے اس سے اپنا بدلہ لیا ہے۔ اب وہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ وہ کیا کرتا ہے۔ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد اس نے فرزانہ کی طرف دیکھا اور پھر بھرپور انداز میں مسکرا کر بولا۔

"بہت خوب فرزانہ، میں اگرچہ ہوشیار تھا، لیکن تم نے پھر بھی وار کرنے کا موقع نکال ہی لیا! بہرحال حساب برابر ہو گیا۔"

"ہاں، برابر ہو گیا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تو پھر دونوں ہاتھ ملاؤ اور وعدہ کرو کہ اب یہ ہتھیار ایک دوسرے پر نہیں آزماؤ گے۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں انکل۔" یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ ملائے اور آخر وہاں سے رخصت ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

"اب آفتاب وغیرہ کو یہ کھلونے کس طرح بھیجے جائیں؟" فرزانہ بولی۔

"بذریعہ پارسل، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" محمود بولا۔

"کیوں نہ ہم آئندہ ملاقات پر یہ انہیں دے دیں۔" فاروق نے کہا۔

"نہیں، پارسل کرنا ہی مناسب ہوگا — اس طرح یہ ان کے کام تو آ سکیں گے — ہماری ملاقات معلوم نہیں کب ہو — ہو سکتا ہے، ہم کئی سال ایک دوسرے سے نہ مل سکیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے — خیر، پارسل ہی کر دیتے ہیں۔"

انہوں نے دوسرے دن پارسل کرنے کا پروگرام بنایا — گھر پہنچے تو شام ہو چکی تھی — انسپکٹر جمشید دفتر سے آ چکے تھے، اور چائے کی میز پر ان کے انتظار میں بیٹھے تھے، لیکن وہ تو پہلے ہی پروفیسر داؤد کے ہاں چائے پی چکے تھے — انہوں نے اپنے کھلونوں کے بارے میں انہیں بتایا اور وہ دونوں چائے کے دوران کھلونوں کے بارے میں سننے لگے —

میک اپ زدہ تصاویر کے مطابق پاسپورٹ وغیرہ انہیں چند روز بعد مل گئے اور انہوں نے بیگم جمشید کو خدا حافظ کہا — پہلے وہ اس غیر جانب دار ملک میں پہنچے اور وہاں سے دشمن ملک کے لیے جہاز میں سوار ہوئے — ان کے حلیے غیر جانب دار ملک کے لوگوں جیسے تھے۔ لباس اور رنگ ڈھنگ بھی انہی جیسے تھے۔ چند دن وہاں ٹھہر کر انہوں نے ان کے بول چال اور طور طریقے اچھی طرح بھانپ لیے تھے اور اب وہ ان کی کامیاب نقل کر سکتے تھے۔ کاغذات میں انہیں سیاح ظاہر کیا گیا تھا جو دنیا کی سیر پر نکلے ہوئے تھے — انسپکٹر جمشید کے منہ میں ہر وقت ایک بڑا

سا پائپ لگا رہتا — اگرچہ وہ سگریٹ اور تمباکو نوشی کبھی نہیں کرتے تھے، لیکن اس میک اپ میں انہیں پائپ منہ میں لینا پڑا —

دوسرے دن دوپہر گیارہ بجے وہ دشمن کے ہوائی اڈے پر جہاز سے اترے — ان کے سامان اور کاغذات کو اچھی طرح چیک کیا گیا — لیکن وہ تو کوئی ایسی چیز لے کر ہی نہیں چلے تھے، جسے شک کی نظر سے دیکھا جاتا — انسپکٹر اپنا پستول تک ساتھ نہیں لائے تھے۔ پستول ساتھ نہ لینے پر جب فرزانہ نے پریشانی ظاہر کی تھی تو انہوں نے مسکرا کر کہا تھا:

"مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی"

البتہ روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے نئے کھلونے ضرور ساتھ لے لیے تھے — آفتاب، آصف اور فرحت کو وہ کھلونے پارسل کر چکے تھے — کسی نے فاروق کے بال پوائنٹ پین، محمود کی انگوٹھی اور فرزانہ کے لاکٹ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، کیونکہ یہ چیزیں بہت ہی عام چیزیں تھیں اور ہر آدمی کے پاس ہوتی ہیں؛ تاہم فرزانہ اب بھی فکرمند تھی کہ ان کے والد کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے اور یہ دشمن ملک تھا — یہاں قدم قدم پر ان کی زندگیوں کو خطرہ تھا —

چیکنگ کے بعد وہ باہر نکلے تو دو تین ٹیکسی والے ان کی طرف لپکے — ان کے علاوہ اور بھی تین آدمی بڑھے —

"ہوٹل ڈان سر۔ بہترین سروس ہے" ایک بولا۔

"ہوٹل شہمارا۔ آپ کو گھر سے زیادہ آرام ملے گا۔"

"آرام دہ گھر آپ کے لیے حاضر ہے۔ ہوٹلوں میں وہ آرام کہاں جو گھر میں مل سکتا ہے۔ ایک بار آزما کر دیکھیے۔" تیسرا آدمی بولا۔ انسپکٹر جمشید اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ٹھیک ہے، ہم آپ کے ساتھ چلیں گے، اگر گھر پسند آ گیا تو ضرور کرائے پر لے لیں گے؛ ورنہ کسی ہوٹل کا رخ کریں گے۔"

"تو پھر آئیے۔ مسٹر ٹام، ٹیکسی لے آؤ۔" اس آدمی نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ ڈرائیور تیزی سے مڑ گیا۔

"آپ کا نام؟" انسپکٹر جمشید نے اس سے پوچھا۔

"مجھے راکیل کہتے ہیں۔ میرے پاس تین خوب صورت گھر ہیں۔ جو میں سیاحوں کو کرائے پر دیتا ہوں۔ اس وقت دو گھر کرائے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ تیسرے کے لیے کرائے داروں کی ضرورت تھی۔ اس لیے یہاں موجود تھا۔ اب جب تک تینوں گھر کرائے پر چڑھے رہیں گے۔ میں ہوائی اڈے کی شکل بھی نہیں دیکھوں گا۔ جوں ہی کوئی گھر خالی ہوگا، پھر یہاں آ جاؤں گا۔"

"بہت خوب، اگر گھر پسند آ گیا اور کرایہ بھی مناسب ہوا تو ضرور لے لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے امید ہے، ایسا ہی ہوگا۔"

آدھ گھنٹے بعد ٹیکسی ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے رکی۔ راکیل نے انہیں ٹیکسی کا بل ادا کرنے کا اشارہ کیا۔ وہ ہر طرح تیار ہو کر آئے تھے، بھلا یہاں کی کرنسی بھاری مقدار میں ان کے پاس تھی۔ انہوں نے بل چکایا اور گھر میں داخل ہوئے۔ یہ واقعی خوب صورت گھر تھا۔ دو کمرے تھے، ایک صحن، ایک گیراج، غسل خانہ اور دوسری تمام ضرورت کی چیزوں سے آراستہ تھا۔ انہوں نے کرایہ طے کیا اور ایک ماہ کے لیے اسے کرائے پر لے لیا۔ راکیل نے رجسٹر کھولتے ہوئے کہا۔

"آپ کے نام؟"

"میرا نام راحل ہے۔ یہ ٹونی، پاشا اور گرین ہیں۔"

اس نے نام درج کر کے رجسٹر بند کیا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے چونک کر رجسٹر اٹھایا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"راکیل بول رہا ہوں۔" پھر خاموش ہو کر دوسری طرف کی گفتگو سننے لگا۔ چند سیکنڈ بعد بولا۔

"جی ہاں، بہت بہتر۔" اور ریسیور رکھ دیا۔

انہوں نے دیکھا، وہ کافی پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

چھوٹے قد کا آدمی

"خیر تو ہے مسٹر مائیکل، آپ بہت پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔"

"ہاں، آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ اس شخص کا جب بھی فون آتا ہے، میرے لیے پریشانی لاتا ہے۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب، میں سمجھا نہیں۔" وہ بولے۔

"فون مسٹر الوادا کا تھا۔ اس ملک کا خوف ناک ترین آدمی۔" اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"خوف ناک ترین آدمی، کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"اس ملک میں جتنے بھی غیر ملکی داخل ہوتے ہیں، ان کے نام حلیے وغیرہ فوری طور پر الوادا کو لکھ کر بھیج دیے جاتے ہیں۔ یہ شخص اپنے دفتر میں ان ناموں اور حلیوں کو پڑھ کر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ان میں سے کوئی آدمی مشکوک تو نہیں۔ اس

چھٹی حس اُسے بتا دیتی ہے کہ فلاں فلاں آدمی مشکوک ہے۔ بس یہ انہیں چیک کرنے نکل کھڑا ہوتا ہے۔"

"تب پھر۔ آپ کیوں پریشان ہیں؟"

"اس نے ابھی ابھی فون پر مجھ سے پوچھا تھا کہ ان ناموں کے غیر ملکی کیا میں اپنے گھر میں ٹھہرانے کے لیے لایا ہوں۔ اس نے یہی نام لیے تھے جو آپ نے لکھوائے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ ہاں؛ چنانچہ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو چھوڑ کر یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں، جب تک کہ وہ نہیں پہنچ جاتا۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"آپ کی ساری گفتگو سننے کے بعد بھی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس میں آپ کے لیے پریشانی کی کیا بات ہے۔" انسپکٹر جمشید اسے بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

"اب اگر آپ غلط آدمی ثابت ہو گئے تو الوادا مجھے بھی شک کی نظروں سے دیکھنے لگے گا۔ اور اس کا یہ شک میرے لیے مصیبت بن جائے گا۔ نہ جانے میں کب تک شک کی زد میں رہوں۔ اس کا شک دور ہونے کے بارے میں مجھے کبھی پتا نہیں چل سکے گا، کیونکہ وہ کسی کو یہ اطلاع نہیں دیتا کہ تم پر سے شک ختم ہو گیا ہے۔"

"ہوں، لیکن آپ فکر نہ کریں۔ ہم غلط آدمی نہیں ہیں۔"

ہم صرف سیاح رہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا، کیونکہ انہوں نے میک اپ نہایت احتیاط سے کیا تھا اور کوئی ایسی چیز استعمال نہیں کی تھی جو آسانی سے اُتر جائے۔ آلات کی مدد سے بھی یہ پتا لگانا بہت مشکل تھا کہ وہ میک اپ میں ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک غیر ملکی میک اپ کے ماہر سے مشورے لیے تھے، لہٰذا انہیں اطمینان تھا کہ انہیں شک کی نظر سے اس وقت تک نہیں دیکھا جا سکے گا، جب تک کہ ان سے کوئی غلط حرکت نہ سرزد ہو جائے۔

"کاش، ایسا ہی ہو۔"

"اگر یہ اتنا ہی پریشان کن کام ہے تو آپ سیاحوں کو اپنے گھر میں ٹھہراتے ہی کیوں ہیں؟ تینوں گھروں کو مقامی لوگوں کو کیوں کرائے پر نہیں دے دیتے۔" انہوں نے پوچھا۔

"مقامی لوگ ایک بار جس مکان میں آ جائیں، پھر اس سے نکلتے نہیں، صرف کرایہ دیتے رہتے ہیں۔ ایک طرح سے مکان ان کا بلکہ ان کے باپ دادا کا بن جاتا ہے۔ ان پر مقدمہ کر کے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے آپ کے ساتھ آ کر غلطی کی۔ اب ہم غیر ضروری الجھنیں مول لے لیں

گے۔" انسپکٹر جمشید نے فکرمند ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ کا خیال غلط ہے۔ اگر آپ کسی ہوٹل میں جا کر ٹھہرتے تو ہوٹل کی انتظامیہ کو بھی ایسا ہی فون موصول ہوتا۔" اس نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ جب الفوراکا یا اس کے آدمیوں کو معلوم ہے کہ فلاں فلاں آدمی، فلاں فلاں ملک سے آئے ہیں تو پھر آپ پر شک کس طرح کیا جا سکتا ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں بتاتا ہوں، آج کل الفوراکا ایک وہم کا شکار ہو گیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ملک میں، خاص طور پر دارالحکومت یعنی اس شہر میں غیر ملکی جاسوس بڑی تعداد میں داخل ہوئے ہیں۔ ان جاسوسوں کا پہلے ہی یہاں کوئی نہ کوئی واقف ہوتا ہے۔ یعنی وہ یہاں پہلے سے موجود کسی جاسوس کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ اب اگر کسی آدمی کو میں اپنے گھر میں ٹھہراؤں تو وہ یہ شک ضرور کرے گا، کہیں میں ایسا آدمی تو نہیں، جو یہاں پہلے سے ہی دوسرے ملک کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔"

"میں سمجھ گیا، خیر آپ فکر نہ کریں۔ ہم غیر ملکی جاسوس ثابت نہیں ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا، لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ کا مارے فکر کے برا حال تھا۔

"یہی تو مشکل ہے، آپ انورا کا کو نہیں جانتے، جس پر اُسے ایک بار شک ہو جائے تو وہ اس کا پیچھا کرنا کبھی ختم نہیں کرتا۔ یا تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جس کا پیچھا وہ کر رہا ہے، وہ واقعی غیر ملکی جاسوس ہے یا پھر وہ فرار ہو جانے کی کوشش میں مارا جاتا ہے۔ ایسے لوگ اس زندگی سے تنگ آ کر فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔"

"چاہے وہ بے گناہ ہی کیوں نہ ہوں؟"

"ہاں!" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"پھر تو ہمیں آپ کی خاطر یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

"اب یہ بھی ممکن نہیں۔ وہ یہی خیال کرے گا کہ میں نے آپ لوگوں کو بھگا دیا۔" اس نے مردہ آواز حلق سے نکالی۔

"اور اگر ہم آپ کو باندھ کر یہاں سے بھاگ جائیں، کیا اس طرح آپ پریشانی سے بچ سکتے ہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"شاید آپ اس طرح بچ جائیں، مگر انورا کا اسے ڈراما خیال کرے گا۔ وہ زمانے بھر سے زیادہ شکی مزاج واقع ہوا ہے۔ آپ اسے نہیں جانتے۔" ایگل کی آواز میں لرزش تھی۔

"پھر آپ ہی بتائیے، ہم آپ کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

"کچھ بھی نہیں، آپ میرے لیے تو کیا، اپنے لیے بھی کچھ نہیں

کر سکتے۔ اب صرف دو باتیں ہوں گی، یا تو آپ کسی طرح بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے یا اس کے آدمیوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے یا پھر کسی طرح بالکل بے گناہ ثابت ہو جائیں۔ لیکن تیسری صورت کا امکان صرف ایک فی صد ہے۔"

"گویا ہمارے ساتھ آپ بھی پھنس گئے۔" فاروق نے پریشان آواز میں کہا۔

"ہاں، لیکن میں اس حد تک نہیں پھنسا۔ انورا کا اس بات کا بخوبی جائزہ لے گا کہ آپ لوگوں کا مجھ سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اگر وہ کوئی تعلق ثابت نہ کر سکا تو پھر مجھے کچھ نہیں کہہ سکے گا، لیکن آپ لوگوں کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔"

"ہوں، اس کا مطلب ہے، ہم ہر طرح ایک بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔"

"اف میرے خدا، ہم اس ملک میں سیاحی کرنے کیوں آ گئے۔ اگر ہمیں یہ حالات معلوم ہوتے تو ہر گز نہ آتے۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں، اب تو آپ آ گئے۔ مجھے حیرت صرف اس پر ہے کہ اسے آپ لوگوں پر شک کیوں ہو گیا۔ آپ لوگ تو بہت نیک اور بھلے مانس دکھائی دیتے ہیں۔"

"دراصل ہم ہیں بھی نیک اور بھلے مانس — صرف دکھائی دینے کی حد تک ہی نیک نہیں ہیں۔" فاروق مسکرایا —

"ضرور یہی بات ہوگی، لیکن اس شیطان....."

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی — راکیل کے منہ سے خوفزدہ آواز میں نکلا:

"لیجیے، وہ آ گیا۔"



انہوں نے چونک کر بند دروازے کی طرف دیکھا — راکیل نے اٹھتے ہوئے کہا:

"مہربانی فرما کر آپ لوگ پورے اطمینان سے بیٹھے رہیے گا — ذرا بھی گھبراہٹ آپ کے چہروں سے ظاہر نہ ہو؛ ورنہ انوراکا کا شک پختہ ہونے لگے گا — اگر اس نے آپ کو بے خوف پایا اور آپ کے چہرے میک اپ میں بھی نہ ہوئے تو پھر آپ بہت سی پریشانیوں سے بچ جائیں گے — پھر آپ لوگوں کی نگرانی تو ضرور ہوگی، لیکن اتنی سخت نہیں۔"

"بہت بہت شکریہ — ہم آپ کی ہدایات پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے —

یہ سن کر راکیل دروازے کی طرف چلا گیا —

"ابا جان، یہ انوراکا تو واقعی شیطان معلوم ہوتا ہے، ادھر راکیل کے منہ سے شیطان نکلا، ادھر دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔" فاروق نے اس کے جانے کے بعد دبی آواز میں کہا —

"ہوں۔" وہ مسکرائے، پھر دبی آواز میں بولے، "دیکھو، ہمارے میک اپ آسانی سے معلوم نہیں کیے جا سکتے — تم بے فکر ہو کر بیٹھے رہنا — یہ لوگ ہمارے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات معلوم نہیں کر سکیں گے — بس تم خوف زدہ نظر نہ آنا۔"

"آپ فکر نہ کریں — آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" محمود بولا —

"میرے ہوتے ہوئے نہیں — اللہ تعالیٰ کی مدد کے ہوتے ہوئے۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے —

"اوہ ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"ویسے ابا جان، کیا آپ یہاں آنے سے پہلے انوراکا کے بارے میں بھی معلوم کر چکے ہیں؟" فرزانہ نے سوال کیا —

"نہیں، میں نے یہ کام نہیں کیا۔"

اور اگر اس انوراکا صاحب نے غیر جانب دار ملک میں ہمارے بارے میں چھان بین کرائی؟" فرزانہ نے فکر مندانہ انداز

میں پوچھا۔

"ہاں، اس امکان کا میں پہلے ہی جائزہ لے چکا ہوں۔ اس ملک میں ہمارے بہت سے آدمی ہیں اور وہ اس ملک کے ذمے دار لوگوں کی نظروں میں با اعتماد ہیں۔ ہمارے بارے میں جب انوراکا وہاں چھان بین کرائے گا تو ہمارے بارے میں ہمارے انہی آدمیوں سے معلوم کر کے انوراکا کو رپورٹ بھیجی جائے گی۔" انہوں نے جواب دیا۔

"اوہ، پھر تو ٹھیک ہے۔" فرزانہ نے سکون کا سانس لیا۔

"میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی ہیں۔" فاروق نے گویا اعلان کیا۔

"ان پہ قابو رکھو۔ کہیں انوراکا کو کوئی شک نہ ہو جائے۔"

"انوراکا — عجیب سا نام ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"وہ خود بھی کم عجیب نہیں ہوگا۔ کیا یہ بات کچھ کم عجیب ہے کہ وہ صرف نام پڑھ کر اور حلیے جان کر کسی کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ضرور اس شخص کا دماغ شیطانی دماغ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"حیرت ہے، راکیل اب تک اسے لے کر پہنچی نہیں۔"

"انوراکا گھر کے ارد گرد اپنے آدمی مقرر کر رہا ہوگا تاکہ ہم فرار ہونے کی کوشش کریں تو اس کوشش کو ناکام بنا

دیا جائے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اسی وقت انہوں نے بھاری قدموں کی آواز کمرے کی طرف آتے سنی۔ وہ پُرسکون انداز میں بیٹھ گئے۔ دوسرے ہی لمحے ایک چھوٹے سے قد کا بالکل دبلا پتلا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے لمبے چوڑے قد والے چار آدمی آئے اور ان کے پیچھے راکیل۔ چھوٹے قد کا آدمی دروازے سے چند قدم اندر آ کر ٹھہر گیا۔ اس کی نظریں ان پر جیسے گڑ سی گئیں۔ انہوں نے محسوس کیا، اس کی نظریں چھید کرتی ہوئیں ان کے جسموں میں اترتی جا رہی ہیں۔ اگر یہ صورتِ حال کچھ دیر اور جاری رہتی تو کم از کم محمود، فاروق اور فرزانہ پر ضرور بوکھلاہٹ طاری ہو جاتی۔ یہ بات محسوس کرتے ہوئے انسپکٹر جمشید شگفتہ انداز میں بولے:

"کیا ہم مسٹر انوراکا سے ملاقات کا شرف حاصل کر رہے ہیں؟"

"اوہ ہاں۔" انوراکا جیسے چونک کر بولا، پھر مسکرا کر آگے بڑھا۔ اس نے ان سے ہاتھ ملایا اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے چاروں ساتھی اور راکیل بدستور کھڑے رہے، حالانکہ کمرے میں بیٹھنے کے لیے اور کرسیاں موجود تھیں۔

"تو آپ لوگ رومبالہ سے آ گئے ہیں۔" اس نے سرسری

اندازہ میں کہا۔

"ہاں۔"

"اس ملک سے ہمارے ملک کے تعلقات کافی خوشگوار ہیں۔ آپ سیاح ہیں؟"

"جی ہاں، آپ کے ملک کے تاریخی اور اہم مقامات کی سیر کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ اگر آپ کو ہماری آمد کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک ہے تو ہم اسی وقت واپس جانے کے لیے تیار ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اس وقت تک ہم آپ کے ملک کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکے ہیں۔"

"مسٹر راکیل، تم نے اچھا کیا کہ میرے بارے میں انہیں بتا دیا۔" وہ راکیل کی طرف مڑا۔ لیکن لہجہ ناخوش گوار نہیں تھا۔

"سر، میں نے مناسب خیال کیا تھا کہ ان لوگوں کو آپ کے مقام اور مرتبے سے خبردار کر دوں، تاکہ یہ کوئی ایسی ویسی بات نہ کر بیٹھیں۔"

"ٹھیک، بالکل ٹھیک۔ راکیل تمہیں یاد ہوگا۔ ایک بار پہلے بھی تمہارے ایک گھر میں کچھ لوگ آکر ٹھہرے تھے۔ میں نے ان کے نام اور حلیے پڑھ کر یہ خیال کیا تھا کہ وہ غیر ملکی جاسوس ہیں، چنانچہ آکر انہیں چیک کیا تھا اور آخر کار وہ لوگ جاسوس ثابت ہو گئے تھے۔"

"یس سر، مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے۔" راکیل نے کانپ کر کہا۔

"تمہیں یہ بھی یاد ہے نا کہ ان لوگوں کا انجام کتنا بھیانک ہوا تھا۔"

"یس سر، آپ کے شکاری کتے، جو انسانی خون کے پیاسے ہیں، ان پر چھوڑ دیے گئے تھے۔" راکیل نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"ٹھیک، تمہاری یادداشت قابل تعریف ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں بھی ان دنوں پوری طرح چھان بین کرائی تھی اور تم ان سے بالکل الگ تھلگ ثابت ہوئے تھے، لہذا آج بھی یہاں نظر آ رہے ہو، ورنہ تم بھی ان کتوں کی خوراک بن چکے ہوتے۔"

"میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں، سر۔"

"ہوں، بہرحال میں یہ چاہتا تھا کہ اگر تم ان کتوں کی خوراک بننے سے بچنا چاہتے ہو تو ان لوگوں کے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دو۔"

"میں ایک گھنٹہ پہلے ایئرپورٹ پر موجود تھا اور وہاں میں نے انہیں زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے، پہلی بار گفتگو کی ہے۔ اس میں ایک فی صد بھی جھوٹ نہیں ہے۔"

"نہ جانے کیوں مجھے تمہاری بات پر پورا یقین ہے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے چاروں آدمیوں کی طرف مڑے بغیر ان سے بولا:

"ان کی اور ان کے سامان کی تلاشی لو۔"

"او کے سر۔" چاروں نے ایک ساتھ کہا اور ان کی طرف بڑھے۔ پہلے ان کی جیبوں وغیرہ کی تلاشی اچھی طرح لی گئی — پھر ان کے سامان کی ایک ایک چیز کو بغور دیکھا گیا۔ لیکن انسپکٹر جمشید تو پہلے ہی بہت سوچ سمجھ کر چیزیں لائے تھے — ان کے سامان میں وہ تمام چیزیں موجود تھیں جو سیاحوں کے لیے ضروری ہوتی ہیں اور کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو انہیں جاسوس ظاہر کر سکتی —

"کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے سر۔"

"ہوں، اس لڑکی کا لاکٹ بہت خوب صورت ہے۔ ذرا میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے اپنی چھڑی ان پر مارتے ہوئے کہا —

ان کے دل اچانک زور سے دھڑکے — یہ کس قدر عجیب بات تھی کہ انورا کا اس لاکٹ میں دلچسپی لے رہا تھا — اب اگر اسے لاکٹ کی حقیقت کا پتا چل جاتا تو وہ مارے گئے تھے —

"یہ لاکٹ واقعی خوب صورت ہے — میرے ایک دوست نے میری بچی کو تحفے میں دیا تھا — دکھاؤ فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید نے اب بھی کوئی پریشانی ظاہر نہ ہونے دی — فرزانہ کے چہرے پر البتہ ایک رنگ آ کر گزر گیا؛ تاہم اس نے فوری طور پر اپنے چہرے پر شرم کے آثار طاری کر لیے، جیسے اس کے لاکٹ کی پسندیدگی پر اسے شرم آنے لگی ہو، پھر اس نے لاکٹ اتار کر انورا کا کی طرف بڑھا دیا — اس نے لاکٹ لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا —

"حیرت ہے، یہ نہ سونے کا ہے نہ چاندی کا، پھر آخر یہ کس دھات کا ہے۔" انورا کا کے منہ سے نکلا —

"یہ شاید چند دھاتوں کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لاکٹ آپ کی دلچسپی کا سبب بن جائے گا تو اس کے بارے میں پوری تفصیل معلوم کرتا۔"

فرزانہ ڈر رہی تھی کہ کہیں انورا کا لاکٹ کی سوئی کو نہ دیکھ لے — پروفیسر داؤد نے عقل مندی یہ کی تھی کہ سوئی کو لاکٹ کے ایک موڑ کے رخ بنایا تھا۔ آسانی سے اسے نہیں دیکھا جا سکتا تھا — آخر انورا کا نے لاکٹ واپس فرزانہ کی طرف بڑھا دیا — اور بولا:

"واقعی خوب صورت لاکٹ ہے — معاف کیجیے گا — آپ

لوگوں کو بلاوجہ تکلیف دی۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پھر کمرے سے نکلا اور چلا گیا۔ اس کے پیچھے اس کے چاروں ساتھی بھی چلے گئے۔

"شکر ہے مالک کا۔" راکیل نے سکھ کا سانس بھرا۔

"کیا آپ کے خیال میں اب انواکا ہماری نگرانی نہیں کرائے گا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نگرانی تو بدستور جاری رہے گی۔ جوں ہی اسے کوئی شبہ ہوا، وہ آپ لوگوں کو پکڑ بلوائے گا اور چہروں کا معائنہ اپنے ماہروں کے ذریعے سے کرائے گا۔"

"ان حالات میں ہم سیاحت کس طرح کریں گے۔" فرزانہ کے لہجے میں مایوسی جھلک اٹھی۔

"یوں آپ پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ آپ کہیں بھی جا سکتے ہیں۔ بس انواکا کے آدمی کسی ایسے موقعے کی تلاش میں رہیں گے جب آپ لوگوں پر انہیں کوئی شک ہو جائے۔"

"اور اگر ایسا کوئی موقع نہ آئے۔" انسپکٹر جمشید نے سوال کیا۔

"جب تک آپ واپس نہیں چلے جائیں گے، نگرانی جاری رہے گی۔"

"ہوں!" انہوں نے کہا اور سوچ میں گم ہو گئے۔ شاید وہ

سوچ رہے تھے کہ ان حالات میں وہ خفیہ کیمپ کس طرح تلاش کر سکیں گے۔

"اور اگر آپ کے واپس جانے تک انواکا کوئی بات آپ کے خلاف ثابت نہ کر سکا تو وہ اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دے گا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"یہ اس کا اعلان ہے کہ جب بھی اس کی چھٹی حس نے اسے دھوکا دیا، وہ ملازمت چھوڑ دے گا۔"

یہ کہہ کر راکیل تو رخصت ہو گیا اور وہ گہری سوچ میں گم ہو گئے۔ ادھر انواکا نے باہر نکل کر اپنے آدمیوں کو ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے ان لوگوں پر شک ہے اور رہے گا۔ سائے کی طرح ان کے ساتھ لگے رہو۔ اگر تم ان کے خلاف کوئی بات معلوم نہ کر سکے تو میرے ساتھ تمہیں بھی اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ کیونکہ میں خود ملازمت چھوڑنے سے پہلے تمہیں ملازمت سے نکال دوں گا۔ یہ بھی سن لو کہ یہ لوگ مجھے حد درجے چالاک نظر آتے ہیں۔ ان کے خلاف کچھ ثابت کرنا بہت ہی مشکل کام ثابت ہوگا۔ یوں سمجھو کہ ہمیں اس بار ایک بہت مشکل کام کرنے کو ملا ہے۔ اب دیکھنا

یہ ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوتے ہیں یا ناکام۔ تم یہ بھی جانتے ہو، بغیر ثبوت کے میں کسی کو پکڑنا پسند نہیں کرتا۔"

اس کے الفاظ انتہائی سرد تھے۔ اس کے چاروں ماتحتوں نے اپنے جسموں میں سردی کی لہریں دوڑتی محسوس کیں۔

موچ

"ان حالات میں ہم کیا کر سکیں گے ابا جان؟" فرزانہ نے سہراتی آواز میں کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں جو کام سونپا گیا ہے، اسے ہر حال میں انجام دینا ہے، کیونکہ یہ ہمارے ایک دوست ملک کا مسئلہ ہے اور اس نے کسی بھروسے پر ہی ہمیں اس کام کے لیے منتخب کیا ہے، اگر ہم ناکام لوٹے تو ان کے بھروسے کو ٹھیس پہنچے گی اور ہم بھی ان کے سامنے سر نہیں اٹھا سکیں گے۔ حکومت کو بھی شرمندہ ہونا پڑے گا، لہذا کام تو ہمیں ہر صورت میں کرنا ہے۔ ہمیں صرف اتنا ہی تو کرنا ہے، کہ کیمپ کا سراغ لگا لیں اور بس۔ دوسری بات یہ کہ ان حالات میں ہم کیا کر سکیں گے تو ابھی میں کچھ سوچ نہیں سکتا۔ ہم وقت اور حالات کے مطابق کام کریں گے۔ سب سے پہلے تو ہم یہاں کے تاریخی مقامات دیکھنے کے سلسلے میں ایک

گائیڈ کی خدمات حاصل کریں گے اور اس کے ذریعے معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن یہ غیر محسوس طور پر ہو گا، کیونکہ صاف ظاہر ہے۔ انوراکا اسے بھی بلوا کر سوالات کرے گا اور گائیڈ اسے سب کچھ صاف صاف بتا دے گا۔"

"ہوں، لیکن ابا جان، اگر یہ لوگ سائے کی طرح ساتھ لگے رہے تو ہم اس خفیہ کیمپ تک کس طرح پہنچ سکیں گے۔ یا اس کا پتا کس طرح لگا سکیں گے، جب کہ یہ ان کا ملک ہے اور کوئی ٹیکسی ڈرائیور بھی انوراکا کے آدمیوں کو چکمہ دینا پسند نہیں کرے گا۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے، لیکن ہماری ٹانگیں تو انوراکا کے آدمیوں کو چکمہ دے سکتی ہیں۔ ہم اپنی عقل سے تو کام لے سکتے ہیں۔"

"خیر، اب سب سے پہلے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"ایک گائیڈ سے ملاقات۔ اس کے لیے پہلے میں راکیل سے بات کرتا ہوں، وہ اب تک اپنے گھر پہنچ گیا ہو گا۔"

راکیل نے انہیں اپنا فون نمبر دیا تھا۔ انہوں نے نمبر گھمائے۔ جلد ہی دوسری طرف سے ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی:

"میں مسز راکیل بول رہی ہوں۔ آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں اور نام کیا ہے آپ کا؟"

"مجھے راحل کہتے ہیں۔ میں مسٹر راکیل کا نیا کرایہ دار ہوں، انہی سے بات کروں گا۔"

"اچھا، ہولڈ کیجیے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

پھر ریسیور رکھنے کی آواز سنائی دی۔ جلد ہی راکیل کی آواز آئی:

"ہیلو مسٹر راحل، خیر تو ہے۔ ابھی ابھی تو میں آپ کے پاس سے آیا ہوں۔"

"جی ہاں، اس وقت خیال نہیں رہا۔ دراصل ہمیں ایک گائیڈ کی ضرورت ہے جو ہمیں شہر کے تاریخی اور دوسرے اہم مقامات دکھا سکے، یعنی سارے شہر کی سیر کرا سکے۔"

"بہتر ہے، میں انتظام کیے دیتا ہوں۔ ویسے گھر کی کسی الماری میں ایک چھوٹی سی کتاب موجود ہو گی۔ اس میں پورے شہر کا نقشہ اور مقامات کی تفصیل دی ہوئی ہے۔ اس کتاب سے بھی آپ کو مدد ملے گی۔ ویسے میں گائیڈ بھی بھیج دیتا ہوں، کیا آپ آج ہی سیر کے لیے نکلنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ آج آرام نہیں کریں گے؟"

"ہم صرف رات کے وقت آرام کرتے ہیں، دن کے وقت

کام کرتے ہیں اور سیاحت کے لیے نکلے ہیں تو یہ بھی ایک کام ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ ایک گھنٹے تک گائیڈ پہنچ جائے گا۔ میرا ایک گائیڈ اچھا واقف ہے۔ اگر وہ مل گیا تو آپ کے لیے بہت مناسب رہے گا۔ معاوضہ وغیرہ آپ اس سے خود طے کریں گے۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر راکیل۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"ابا جان، مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔" فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"خدا کا شکر ہے کہ آیا تو۔ ورنہ میں تو یہ خیال کر رہا تھا، آج فرزانہ کا دماغ بھی سو گیا ہے۔" فاروق گنگنایا۔

"جلدی بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے فاروق کی طرف توجہ دیے بغیر کہا۔

"یہاں ہمارے جاسوس بھی تو ہوں گے۔ آپ ان میں سے کسی سے رابطہ قائم کیوں نہیں کرتے۔"

"پروگرام تو یہی تھا، لیکن اب اگر میں نے اپنے ملک کے کسی جاسوس سے رابطہ قائم کیا تو وہ بھی الوماکا کی نظروں میں آ جائے گا۔ اس لیے میں خود رابطہ قائم نہیں کروں گا۔ ہاں

اتفاق سے کہیں کوئی نظر آ گیا تو ملاقات کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہو گا، لیکن یہ ملاقات بھی سرسری ہو گی، جیسے کوئی کسی سے راستہ پوچھ لیتا ہے۔"

"گویا ہم بہت خوف ناک حالات میں گھر گئے ہیں۔"

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔" انھوں نے کہا، پھر چونک کر بولے:

"ارے ہاں، ذرا وہ کتاب تو تلاش کرو۔"

"کون سی کتاب؟" محمود چونک کر بولا اور انسپکٹر جمشید مسکرا اٹھے۔ انھیں بھلا کتاب کے بارے میں کہاں معلوم تھا۔ راکیل نے تو انھیں فون پر بتایا تھا۔ اب انھوں نے بتایا تو تینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ کتاب پہلی الماری کھولنے پر ہی مل گئی اور وہ مل کر اسے پڑھنے لگے۔

ایک گھنٹے سے کچھ پہلے ہی دروازے کی گھنٹی بجی۔

"شاید گائیڈ آ گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

محمود نے اٹھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ انھوں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور خود اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازہ کھولنے پر ایک لمبے قد کا آدمی نظر آیا۔ اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ تھی۔

"کیا آپ گائیڈ ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"جی ہاں، مجھے مسٹر راکیل نے بھیجا ہے۔" اس نے کہا۔

"آپ کا نام؟"

"مجھے ٹامور کہتے ہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اندر تشریف لے آیئے۔"

دونوں اندر داخل ہوئے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ٹامور کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ریسیور اٹھا کر بات کرنے لگے۔

"ہیلو، راکیل بول رہا ہے۔ کیا گائیڈ پہنچ گیا ہے۔"

"جی ہاں، مسٹر ٹامور ابھی ابھی پہنچے ہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے کہا اور راکیل نے فون بند کر دیا۔

"مسٹر راکیل کا فون تھا۔" انہوں نے ریسیور رکھتے ہوئے ٹامور سے کہا، پھر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولے:

"آپ اپنی شرائط بتایئے۔ ہم سارے شہر کی سیر کریں گے۔"

"سو روپے روزانہ میری فیس ہوگی۔ صبح نو بجے سے شام پانچ بجے تک سیر کراؤں گا۔ دوپہر کا کھانا بھی مجھے آپ کھلائیں گے۔ سیر کے مقامات پر آپ جتنا جی چاہے وقت لگا سکتے ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، ہمیں منظور ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں کسی اچھے سے ہوٹل لے چلیے، تاکہ ہم کھانا کھا لیں۔ بہت بھوک

لگی ہے۔ اس کے بعد ہم سیر کے لیے چلیں گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے کندھے اچکائے، پھر بولا:

"آپ کچھ دنوں کے لیے کار کیوں کرائے پر نہیں لے لیتے۔"

"اوہ ہاں، یہ مناسب رہے گا۔ کیا آپ اس کام میں ہماری مدد کریں گے۔"

"کیوں نہیں، ابھی چل کر کار حاصل کر لیتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر چلیے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

کار حاصل کرنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ٹامور کی شاید شہر میں بہت واقفیت تھی۔ اس کی شکل دیکھتے ہی ایجنسی نے کار ان کے حوالے کر دی؛ البتہ ایک ہفتے کا کرایہ ضرور ان سے وصول کر لیا تھا۔ کار میں بیٹھ کر وہ ایک ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے۔ ٹامور کار چلا رہا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا، وہ ایک اچھا ڈرائیور ہے۔ جس ہوٹل میں وہ انہیں لایا، اس کا نام ہوٹل پیراڈائز تھا۔ کھانے کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، تاہم انہیں ٹامور کی کوشش سے ایک سیٹ مل ہی گئی۔

"آپ کی تو ہر جگہ رسائی ہے۔"

"بیس سال پرانا گائیڈ ہوں۔ سب لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔" وہ بولا۔

کھانے کے دوران انسپکٹر جمشید نے کئی بار پورے ہال میں موجود لوگوں پر نظریں دوڑائیں — آخر وہ فارغ ہوئے اور باہر نکل پڑے۔

"یہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں کہ پہلے دن آپ کیا دکھانا پسند کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے —

"تو پھر پرانا قلعہ بہتر رہے گا۔" طامور نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔"

طامور نے کار ایک سڑک پر موڑ دی اور اسے پوری رفتار پر چھوڑ دیا — محمود، فاروق اور فرزانہ کی بے چین نظریں عقب نما آئینے کی طرف اٹھ رہی تھیں — ان کے پیچھے بے شمار کاریں تھیں، لہٰذا یہ اندازہ لگانا از حد مشکل تھا کہ کوئی کار ان کا تعاقب کر رہی ہے یا نہیں — گھر سے نکلنے پر بھی انہیں یہی پریشانی ہوئی تھی اور ابھی تک وہ یہ اندازہ نہیں لگا پائے تھے کہ الورالا کے آدمی تعاقب کر رہے ہیں یا نہیں — یوں تو انہیں یقین تھا کہ تعاقب ضرور ہو رہا ہوگا — پھر جوں ہی ان کی کار شہر سے باہر جانے والی سڑک پر مڑی — ان کے پیچھے صرف دو تین کاریں رہ گئیں — وہ اپنے گائیڈ سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتے تھے، کیوں کہ جانتے تھے، الورالا گائیڈ سے بھی پوچھ گچھ ضرور کرے گا۔ قلعے کے قریب پہنچنے سے پہلے ان کے پیچھے ایک کار بھی نہیں رہی — تینوں کاریں ادھر ادھر مڑ گئیں، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ان

کے تعاقب میں نہیں تھیں — اور اب ان کے پیچھے دور دور تک کوئی کار نہیں تھی — یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی — ڈانیل کی گفتگو سے تو یہی ظاہر تھا کہ اب الورالا کے آدمی کسی قیمت پر بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے، لیکن اب ان کے پیچھے کوئی بھی نہیں تھا اور یہ ایک عجیب ترین بات تھی —

انسپکٹر جمشید کو ایک عجیب سا احساس ہوا، ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے — انھوں نے اپنے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجتی محسوس کیں — جب کہ محمود، فاروق اور فرزانہ پیچھے کوئی کار نہ پا کر مطمئن نظر آ رہے تھے اور پھر وہ قلعے کے پاس پہنچ گئے — یہ ایک بہت بڑا اور عظیم الشان قلعہ تھا، انھوں نے کار پارک کی اور اندر داخل ہوئے — قلعے کی سیر کے لیے ٹکٹ خریدے گئے — اب طامور کا کام شروع ہوا — وہ انہیں قلعے کے بارے میں بتانے لگا — وہ پوری دل چسپی سے سننے لگے — دو گھنٹے تک سیر کرنے کے بعد وہ گھاس کے ایک قطعے پر بیٹھ گئے — اچانک فرزانہ نے کہا —

"کیا خیال ہے ٹونی، باش، مجھ سے دوڑ لگاتے ہو یہاں؟"

"ضرور آؤ۔" محمود نے اٹھتے ہوئے کہا — فاروق بھی اٹھ کھڑا ہوا — انسپکٹر جمشید اور طامور انہیں دلچسپ نظروں سے دیکھنے لگے —

تینوں ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔ محمود نے ایک دو تین کہا اور تینوں
پر وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تینوں پورا زور لگا کر بھاگ رہے
تھے۔ محمود سب سے آگے تھا، پھر فرزانہ اور فاروق پیچھے رہ گئے
تھے۔ قطعہ بہت بڑا تھا۔ دوڑتے ہوئے وہ اس کے دوسرے سرے
پر نکل آئے اور پھر اچانک فرزانہ گر پڑی۔ اس کے منہ سے
چیخ نکل گئی۔

"ارے میں مر گئی۔"

"مریں تمہارے دشمن۔" فاروق نے رکتے ہوئے بڑی بوڑھیوں
کے انداز میں کہا۔ محمود بھی رک گیا۔

"کیا ہوا؟"

"ہونا ہوانا کیا ہے۔ ٹامور کی موجودگی میں تو ہم بات چیت
کرنے سے بھی ترس گئے ہیں۔ اسی لیے میں نے دوڑ کا بہانہ بنایا
تھا اور اب پیر میں موچ کا بہانہ بناؤں گی۔ تاکہ واپس ہم
آہستہ آہستہ جا سکیں اور اس دوران باتیں بھی کر سکیں۔"

"بہت خوب، معلوم ہوتا ہے، آج کل بڑی رفتار سے بہانے
بنا رہی ہو۔" فاروق مسکرایا۔

"مجھے حیرت ہے، انولا کے آدمیوں نے ہمارا تعاقب کیوں
نہیں کیا۔"

"ہو سکتا ہے، انولا کو کچھ زیادہ ہی خوف زدہ ہو اور
اس نے اس کے بارے میں بہت بڑھا چڑھا کر باتیں سنا دی ہوں۔"

"آخر اس طرح سیر کرتے ہم کب اس خفیہ کیمپ تک پہنچیں
گے۔ مجھے تو یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔" فرزانہ نے
کہا۔

"تم منڈھے چڑھنے کی بات کر رہی ہو، جب کہ مجھے سرے
سے بیل ہی نظر نہیں آتی۔" فاروق بولا۔

اب وہ دونوں فرزانہ کو سہارا دے کر واپس چل رہے تھے۔
انسپکٹر جمشید اور ٹامور کی نظریں انہی پر جمی تھیں۔ اچانک مخالف
سمت سے ایک آدمی ٹہلتا ہوا آیا اور ان کے بالکل پاس سے
گزرتا چلا گیا۔

"عجیب احمق ہے، اتنا لمبا چوڑا میدان ہے اور عین ہمارے
پاس سے گزرا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی، تمہارا کیا خیال ہے۔ دنیا میں ایک تم ہی احمق رہ
گئے ہو۔" فرزانہ ہنسی۔

"دیکھو، منہ سنبھال کر بات کرو، ورنہ میری اور تمہاری جنگ
چھڑ جائے گی اور تمہارے پاؤں میں پہلے ہی موچ آ گئی ہے، اگرچہ
مصنوعی ہے، لیکن ٹامور کو دکھانے کے لیے تمہیں لنگڑاتے ہوئے
مقابلہ کرنا ہو گا۔"

"میں اس حالت میں بھی تمہیں گھنگی کا ناچ نچا دوں گی۔"
فرزانہ بولی۔

"تو پھر آجاؤ، ہو جائیں دو دو ہاتھ۔" فاروق نے اس کا بازو چھوڑتے ہوئے کہا۔

"فاروق، کیا کر رہے ہو، مسٹر ٹامور ہمارے بارے میں کیا خیال کریں گے۔"

"یہی خیال کریں گے کہ کتنے بہادر بچے ہیں۔ پیر میں موچ آگئی، لیکن لڑنے بھڑنے سے پھر بھی باز نہیں آئے۔"

"سنو، میں تمہیں ایک خاص بات بتانا چاہتا ہوں۔"

"تم عام بات بتایا ہی کب کرتے ہو۔" فاروق بولا۔

"وہ آدمی جو ہمارے پاس سے دوڑتا ہوا گزر گیا۔ پاگل نہیں تھا، احمق بھی نہیں تھا۔"

"تو کیا بدھو تھا؟" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں، وہ بہت عقل مند تھا اور تم دونوں عقل سے پیدل ہو۔"
محمود نے پُراسرار لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے چونک کر کہا۔

"وہ میرے ہاتھ میں ایک کاغذ دے گیا ہے۔"

"کیا؟" دونوں زور سے چونکے۔

"ہاں، لیکن ہم ٹامور کی موجودگی میں اس کاغذ کی تحریر کو

پڑھ نہیں سکتے۔ اب تم اپنی موچ کی تکلیف میں اضافہ کر لو اور ہائے وائے بھی کرنا شروع کر دو، تاکہ ہم فوراً ہی گھر جانے کا پروگرام بنا لیں۔" محمود نے دبی آواز میں کہا۔

فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور پھر فوراً ہی حیرت غائب ہو گئی کہ کہیں ٹامور ان کی آنکھوں میں حیرت نہ پڑھ لے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۰

نیلا عذاب

مصنف: اشتیاق احمد

- نیلے باس والے کی جیب میں ایک نیلا لفافہ تھا، لیکن اچانک وہ لفافہ جیب سے اڑا لیا گیا۔
- لفافہ اڑانے والے کو محمود نے صاف دیکھا تھا۔
- محمود نے فاروق کے ذمے ایک عجیب کام لگایا۔
- ہوٹل کی دوسری منزل سے فرزانہ نے ایک ہولناک منظر دیکھا، اور کانپ اٹھی۔
- ایک پراسرار سڑک جس پر گاڑیاں دھنس جاتی تھیں۔
- نیلے لفافے کا راز کیا تھا؟
- واقعات طوفان کی سی تیزی اختیار کر لیتے ہیں۔

ایک عجوبہ ناول۔

قیمت: ۵/۵۰

آیندہ ناول کی ایک جھلک

اشتیاق احمد کی زندگی کا دوسرا ناول

متفرق سلسلہ ۲۴

ان کے کارنامے

مصنف: اشتیاق احمد

- یہ کتاب فیروز سنز سے شائع ہوئی تھی۔
- پہلے ناول پیکٹ کا راز کی طرح اب یہ مکتبہ اشتیاق سے شائع ہو رہی ہے۔
- محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے چھ کارنامے۔
- ہر کارنامے پر آپ انہیں داد دے اٹھیں گے۔
- ابتدائی دور کی کتاب، دیکھیے تو، اس زمانے میں محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کیسے تھے۔ کس طرح کام کرتے تھے!

آپ کے لیے ایک دلچسپ کتاب۔

قیمت: ۵/-

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۹

دروازہ کھلا ہے

مصنف: اشتیاق احمد

- ایک ہوٹل میں خان رحمان کا بٹوہ اڑا لیا گیا۔
- شہر پر ایک بدمعاش کی حکومت تھی۔
- پولیس بھی اس کے خلاف کچھ کرتی نظر نہیں آتی تھی۔
- خان رحمان نے مجبوراً انسپکٹر جمشید کو فون کر ڈالا۔
- لیکن انھوں نے اس دروازہ قصبے میں محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھیج دیا۔
- ان کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے؟

قدم قدم پر حیرتوں کا سامنا۔

قیمت: ۵/۵۰

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۱۶

گڑیا کا چکر

مصنف: اشتیاق احمد

- خان بہادر کریم یار کی کوٹھی میں ایک پارٹی منائی جا رہی تھی۔
- ان کے عجائب خانے میں ایک گڑیا موجود تھی۔
- خان بہادر کا منیجر آفتاب اور آصف کو گڑیا کے بارے میں حیرت انگیز ترین باتیں بتاتا ہے۔
- تھوڑی دیر بعد گڑیا غائب تھی۔
- اور پھر انوار جمیل بھی غائب ہو گیا۔
- آخر اس کوٹھی میں ہو کیا رہا تھا؟
- آفتاب، آصف اور فرحت تفتیش کے نئے راستے پر۔
- انسپکٹر کامران مرزا آخر میں عجیب انکشاف کرتے ہیں۔

قیمت: ۵/۵۰

اس ماہ کے ناول خاصے اچھے تھے۔ اگر ناول اسی طرح اچھے آتے رہے تو ان کی تعداد اور بڑھے گی اور ہاں، اگر آپ نے ناولوں کی تعداد کم کی تو ہم ہڑتال کر دیں گے۔

فقط: امتیاز علی۔ مکان ۳۰، ۴/۳ این ٹائپ کالونی، بکھر

✕✕✕

پیارے اشتیاق احمد،

دسمبر کے ناول پڑھ کر دسمبر میں پسینہ آ گیا۔ خاص طور پر بھوت کی مجھے پڑھ کر ہول آنے لگا۔ جنگل کا قانون کا سرورق دیکھ کر آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اور میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ ایشیا کا جلاد پڑھ کر میں نے افریقہ میں تو جنگلی اور آدم خور جانوروں کا ڈنر ہو رہا ہے۔ یہ سوچ کر ارادہ کیا کہ چلو یورپ چلتے ہیں، لیکن سوچ کر رک گئے کہ وہاں تو غیر ملکی جاسوس ٹکرا جائیں اور انسپکٹر جمشید کو ایک گمنام خط لکھنا پڑے گا، امریکہ جانے کا جواب ہی پیدا نہیں ہوتا، میرا مطلب ہے، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اچھا اب بہت بول چکا۔ خدا حافظ

فقط: محمود حسن۔ ایم ۲، بلاک ۲، پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹

✕✕✕

(انعامی خط) پیارے انکل اشتیاق احمد، السلام علیکم۔

ماہ فروری کے ناول تقریباً اچھے تھے۔ خطوط کی عادت میں پانچ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ ایک ایسا باغ جس کے پھولوں پر آپ کا

خطوط کے آئینے میں

اس مرتبہ مندرجہ ذیل تین خطوط انعامی قرار پائے۔ انہیں انعامی پیکٹ روانہ کیے جا رہے ہیں۔

✕✕✕

۱۔ حامد شہزاد۔ حفیظ جنرل سٹور سکندر پورہ پشاور شہر۔
۲۔ ز۔ کنول (پتا نہیں لکھا)
۳۔ سعیدہ ابراہیم۔ مکان نمبر ایس ۵۶ گلی نمبر ۱۱ گورو مانگٹ گلبرگ ۲ لاہور۔

السلام علیکم! گزشتہ ناولوں میں یہ رائے مانگی گئی ہے کہ اگر چار ناولوں کی بجائے ایک ناول شائع کیا جائے تو کیا خیال ہے، یہ پڑھ کر بہت غصہ آیا، ہم تو خوش ہو رہے تھے کہ ناولوں کی تعداد بڑھائیں گے، بہر حال میں اپنی رائے دیتا ہوں کہ اگر آپ ان ناولوں کی تعداد دس بھی کر دیں، ہم لوگ اتنی ہی دلچسپی سے پڑھیں گے جتنا کہ چار ناولوں کو۔

نام، پتوں پر انسپکٹر جمشید کا نام اور کلیوں پر محمود، فاروق اور فرزانہ کا نام ہے۔ زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں، نہ ہی بغلیں بجانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ڈر ہے، آپ خوش فہمیوں کے سمندر میں تیرتے دور نہ نکل جائیں۔ ہر ہفتے ایک ناول والی بات نامنظور، اس طرح ہم سب کو اور آپ کو بھی تکلیف ہوگی۔ آپ کے ناول پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے آپ کے کردار مختلف قسم کے ساز ہوں۔ جو مل کر ایک ایسا نغمہ گا رہے ہیں، جس میں آدمی ڈوبتا ہی چلا جاتا ہے، لیکن پھر ایک جھٹکے کے ساتھ ساز کے تار ٹوٹ جاتے ہیں اور ہم اس سحر انگیز کیفیت سے باہر نکل آتے ہیں۔ یہ کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب ناول ختم ہو جاتا ہے۔ اوہو، یہ تو شاعری ہے، لیکن اس میں ہمارا کیا قصور آپ کے ناولوں نے ہی ہمیں شاعر بنا دیا ہے۔ والسلام۔

حامد شہزاد۔ حفیظ جنرل سٹور سکندر پورہ، پشاور شہر

※※※

پیارے بھائی اشتیاق،

اوفروری کے ناول اپنی مثال آپ تھے، لیکن افسوس کہ خطوط کی عدالت کافی کوشش کے باوجود نہ مل سکی۔ ناولوں کے آخر میں شائع ہونے والے کچھ خطوط میں لکھا ہوتا ہے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی باتیں بہت لمبی ہوتی ہیں۔ تو انکل جی سن لیں اور ان سے بھی کہہ دیں کہ ہم ناول خریدتے ہیں تو صرف اس لیے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی نوک جھوک پڑھنے

کے لیے اور ساتھ ہی ان کی اس نوک جھونک سے ناول کی شان بھی بڑھتی ہے۔ اور ان کی اکثر باتیں مفید بھی ثابت ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے کیس حل ہو جاتا ہے۔

فقط، محمد فراد گھو (پتا نہیں لکھا)

※※※

پیارے انکل، السلام علیکم۔

میں کہہ رہا تھا، لیکن نہیں۔ میں کہہ کب رہا ہوں، میں تو لکھ رہا ہوں۔ اور یہی لکھنا میرا اوڑھنا اور بچھونا بن گیا ہے۔ شاید میں نے محاورے کی ٹانگ توڑ دی ہے۔ آپ یقیناً جھنجلاہٹ کے انگارے چبا رہے ہوں۔ میں نے کیا اول فول شروع کر دی۔ خیر میں زبان کو تالا لگا لیتا ہوں، لیکن ٹھہریے جی، میں تو قلم سے لکھ رہا ہوں، قلم کو تالا لگانا چاہیے، بلکہ نہیں، مجھے تو اپنے ذہن کو تالا لگانا چاہیے، خیر چھوڑیے، اب میں سنجیدگی سے لکھنے کی سوچ رہا ہوں، کیونکہ خط کا باقی حصہ اوٹ پٹانگ باتوں کی نذر ہو گیا۔ میں دراصل یہ کہنے والا تھا کہ آپ کو مبارک ہو۔ جی ہاں، انسپکٹر جمشید کے پچاس میں سے آدھی سنچری ہو چکی ہے۔ آپ نے جس شاندار بینک کا خلاصہ کیا، وہ قابل تعریف ہے۔ جنگ کے دوران آپ نے جو تین شاندار جھٹکے لگائے، وہ تو بہت ہی زبردست تھے۔ خاص کر تیسرا جھٹکا جو آپ نے حال ہی میں دیا بہت لاجواب تھا۔ جنگل کا قانون بہت پسند آیا۔ تمام کتب پڑھنے کو

دعوے دار۔

خالد فرید عباسی ۱/۱۶ انگل روڈ نزد بلاک ۶ صدر کراچی

٭٭٭

(انعامی خط) بالکل ناپسندیدہ اشتیاق احمد صاحب۔

آپ کے ناول آخری خواہش اور میری کہانی پڑھنے کو ملے۔ اب آپ یہ جاننا چاہیں گے کہ ان کے بارے میری کیا رائے ہے تو یہ دونوں ناول بالکل بکواس تھے۔ میں نے اپنے آپ کو گیارہ روپے ضائع کرنے پر بڑی طرح کوسا۔ میرے پاس آپ کے سو کے قریب ناول ہیں اور ان میں سے ایک بھی تعریف کے قابل نہیں۔ آپ کے ناول بھی پاکستانی ناولوں کی طرح بالکل بکواس ہوتے ہیں، معلوم نہیں، بچے کس طرح آپ کے ناول پسند کر لیتے ہیں۔ میں آپ کو اپنا خط شائع کرنے پر مجبور نہیں کروں گا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ اسے پڑھ لیں۔ آپ کو اپنے ناولوں کی تعریف میں تو بہت خطوط موصول ہوتے ہوں گے، ایک خط بدتعریفی کا بھی سہی۔

"آپ نے ناول میری کہانی میں لکھا ہے کہ آپ غصے کو حرام سمجھتے ہیں، جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تو کیا آپ کو مندرجہ بالا الفاظ پڑھ کر غصہ نہیں آیا؟ اس بات کا جواب سچ سچ مجھے لکھیں، یا اگر شائع کرنا چاہیں تو یوں ہی سہی۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض کردوں کہ میں نے آپ کو یہ خط آپ کے ضبط کو آزمانے

کے لیے لکھی تھیں اور یہ سب جھوٹ ہیں۔ اصل بات بالکل ان کے برعکس ہے۔ اگر آپ نے یہ خط اب تک پھاڑا نہیں (غصے میں آکر) تو آپ کو حقیقت کا علم ہو ہی چکا ہے۔ تمام گستاخیوں کے لیے معذرت۔ اب نہایت مودبانہ سلام کے بعد عرض ہے کہ میں پہلے بہت سے مصنفوں کی کتابیں پڑھتی تھی، لیکن اب صرف آپ کی کتابیں پڑھتی ہوں۔

زرکنول۔ (پتا نہیں لکھا)

٭٭٭

جناب اشتیاق احمد السلام علیکم۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کو یہ خط لکھنے کی زحمت کیوں فرمائی ہے۔ چلیے بوجھ لیں۔ کیا نہیں بوجھ سکے! میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ آپ نہیں بوجھ سکیں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ابھی ابھی میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ اتنی زوردار تو نہیں تھی مگر میں نے اس پر بہت زور دیا ہے اور اب یہ زوردار بن گئی ہے تو ترکیب یہ ہے کہ کیوں نہ ہم ایک عدالت قائم کریں، جس میں آپ کے کرداروں پر مقدمہ چلایا جائے۔ مدعی کی طرف سے تمام قارئین دلائل پیش کریں گے اور مدعا علیہ کی طرف سے صرف آپ اس کے حق میں دلائل دیں۔ اس طرح میرے خیال میں ہمیں سوالات کرنے کا ایک نیا راستہ مل جائے گا، کیونکہ آپ کرداروں سے سوالات کیا نہیں آشکار ہوتے جارہے ہیں اس لیے اس زوردار ترکیب پر زوردار طریقے سے غور کریں اور جواب

ضرور دیں ورنہ خطرہ کی عدالت میں آپ کے خلاف اپیل دائر کر دوں گا۔ رہی بی اے نوکری کی مجھے متعلق بھی پرواہ نہیں کہ وہ میری پرانی واقف ہے اور ہر ماہ ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ چند دنوں بعد میں ان کا ایک انٹرویو بھی پیش کروں گا۔ امید ہے سب کو پسند آئے گا۔ اچھا خدا حافظ۔۔

مقصود محمود، ۵۵-۳۲ سی سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ

ج: آپ کی تجویز تو واقعی زوردار ہے۔ مقدمہ آپ ہی دائر کریں تاکہ دوسرے اس رستے پر چل پڑیں۔۔ اور ہاں، آپ کی طرف سے رضی کی نوکری سے انٹرویو کا انتظار رہے گا۔

***

(الوداعی خط) بابا جی! یہ خط ہو سکتا ہے آخری ہو ورنہ سعیدہ صاحبہ کا خط تشریف لا رہا ہے۔ ورنہ آپ ابھی تک تنقید سے ہی نہیں ہوتے۔۔ وہ ناراض ہو جائے گا۔ پھر آپ کا کوئی نقصان ہوگا۔ شرمندگی تو اٹھانا پڑے گی کیونکہ خط صاحب نے تو پہلے گھری کو شادی بیاہ کو۔ اگر اب کی مرتبہ جواب نہ دیا تو میں کبھی بھی اشتیاق احمد کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اس لیے آپ فوراً ہمارے خط عزیز کا جواب دینے کی کوشش کریں۔ اب اگر انہیں اپنے خط کا جواب لینا ہے تو آپ کی کتابوں کی تعریف ضرور کرنا پڑے گی کیونکہ تنقید اور تعریف کے بغیر جو بھی خط ملے، اس کا تو کبھی آپ نے جواب دیا ہی نہیں، لہذا اس بار آپ کی کتابیں بہت اچھی ہوتی ہیں۔۔ خدا حافظ۔

سعیدہ ابراہیم مکان نمبر ۱ ایس-۹۰ گلی نمبر ۱۱ گورو مانگٹ گلبرگ ۳ لاہور۔۔



[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترتیب پبلشرز ۔ ۱۔ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور